قرآن کی جمع وتدوین

از: پروفیسر ڈاکٹر خلیل الرحمٰن
ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سینٹر، یونیورسٹی آف کراچی

قرآن چونکہ خالق کائنات کی آخری کتاب ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا مکمل انتظام فرمایا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

﴿انّا نحن نزلنا الذکر وانّا له لحافظون﴾ [1]

نیز فرمایا: ﴿ان علینا جمعه وقرآنه﴾ [2]

ترجمہ: قرآن کو آپ کے سینہ میں محفوظ کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔

عالم بالا میں تو اس کو لوح محفوظ اور بیت العزت میں محفوظ کیا جس کو قرآن پاک میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿بل هو قرآن مجید فی لوح محفوظ﴾ [3]

ترجمہ: بلکہ وہ تو بلند و بالا قرآن ہے لوح محفوظ میں۔

اور روئے زمین پر اس کی حفاظت کے دو انتظامات کئے گئے:

۱) صدری حفاظت ۲) تحریری حفاظت

قرآن کی صدری حفاظت:

قرآن کا جتنا حصہ بھی اللہ رب العزت وحی کی صورت میں نازل فرماتے تھے رسول مقبول

ﷺ اسے یاد کر لیتے تھے چنانچہ پورا قرآن پاک آنحضرت ﷺ کے سینہ مبارک میں محفوظ تھا اسی طرح امت کے سینوں میں بھی محفوظ تھا جس کا تذکرہ خود قرآن پاک نے کیا ہے:

﴿بل هو اٰيات بينات فى صدور الذين أوتو العلم﴾ .

ترجمہ: قرآن کی کھلی آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں موجود ہیں۔

چونکہ قدرت الٰہی نے اس آخری کتاب کی صدری حفاظت کا سامان فرمانا تھا اس لئے نزول قرآن کے لئے اولاً ایسی قوم کو منتخب فرمایا جو تمام اقوام سے اپنی قوت حافظہ میں لا جواب تھی ان کے سینے قومی واقعات اور قبائلی انساب کے خزانے تھے اور جو ایک بار سینکڑوں اشعار کا قصیدہ سن لیتے تھے تو پورا قصیدہ دل ودماغ پر نقش ہو کر یاد ہو جاتا تھا، جس پر عرب کی تاریخ شاہد ہے قبائل عرب دور دراز سے مسافت طے کر کے حفظ قرآن کے لئے مدینہ پہنچتے تھے اور قرآن حفظ کرتے تھے سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کے پورے اجزاء کو اپنے سینہ میں محفوظ کر لیا تھا امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے کتاب القراءات کے آغاز میں قاری صحابہ کے اسماء ذکر کئے ہیں اس سلسلے میں انہوں نے کافی صحابہ کے نام لکھے ہیں۔[۴]

امام سیوطیؒ نے ابوعبید کی کتاب القرات سے نقل کر کے اپنی کتاب ''الاتقان'' میں قاری صحابہ کے نام درج کئے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو قرآن کریم یاد کرنے سے کتنا شغف تھا۔

قرآن کے قاری صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مہاجرین صحابہ:

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت سالمؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن سائبؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عائشہؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ،

رضی اللہ عنہم اجمعین۔

انصار صحابہ:

حضرت عبادہ بن صامتؓ، معاذؓ، ابوحلیمہؓ، مجمع بن جاریہؓ، فضالہ بن عبیدؓ، مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مذکورہ مہاجرین وانصار صحابہ اور امہات المومنین کے اسماء گرامی قاسم بن سلام نے ذکر کئے ہیں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کو نہ صرف اپنے سینوں میں محفوظ کیا بلکہ آنحضور ﷺ کو بھی سنایا آپ ﷺ ان صحابہ کرام کے استاد محترم اور وہ صحابہ آپکے براہ راست شاگرد تھے۔ ۵

اس میں شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے دور میں بے شمار صحابہ کرام نے قرآن پاک کو یاد کرلیا تھا صحابہ کرام ایک دوسرے کو قرآن کریم سناتے اور یاد کرتے تھے تاکہ فرضی اور نفلی نمازوں میں شب وروز اس کی تلاوت کرسکیں آپ ﷺ اس سلسلے میں ان کی مدد بھی فرماتے تھے اور حوصلہ افزائی بھی، سینوں میں قرآن کی حفاظت کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ عہد نبوت ہی میں بئر معونہ کا واقعہ پیش آیا، بخاری شریف کی روایت کے مطابق شہید ہونے والوں کی تعداد ستر (۷۰) کے قریب تھی دھوکہ دے کر کفار نے انکو قتل کردیا تھا اور یہ سارے کے سارے حفاظ وقراء تھے۔ ۶

ابن الجزری پورے جزم ووثوق کے ساتھ لکھتے ہیں کہ قرآن کی نقل واشاعت کے سلسلہ میں کتابت کی بجائے قلب صدر پر اعتماد امت محمدی کی عظیم خصوصیت ہے وہ اس کی دلیل میں صحیح مسلم کی ایک صحیح حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

> ''میرے رب نے مجھے حکم دیا کہ اٹھ کر قریش کو تبلیغ کیجیے، میں نے کہا اے باری تعالیٰ! تب تو قریش میرا سر پھاڑ دیں گے، فرمایا میں تجھے آزمانا چاہتا ہوں اور تیری وجہ سے دوسروں کو بھی آزماؤں گا اور تجھ پر ایسی کتاب نازل کروں گا جسے پانی بھی نہیں دھو سکے گا، آپ سوتے اور جاگتے اس کی تلاوت کریں گے'' ۷

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قرآن ایسی کتاب ہے جو حافظہ کی مدد سے پڑھی جاسکتی ہے حافظِ قرآن کواس بات کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی کہ وہ اوراق پر سیاہی سے لکھا ہوا قرآن پڑھے، جو مٹ بھی سکتا ہے، اور دھونے سے اسکے حروف زائل بھی ہوسکتے ہیں۔

غرضیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام طبقات میں قرآن حکیم پڑھنے اور اسے یاد کرنے کا بے حد ذوق وشوق تھا، دنیاوی مشاغل کے باعث جو صحابہ کرامؓ عدیم الفرصت تھے، انہوں نے ایک دوسرے سے مل کر باری مقرر کی ہوئی تھی، ایک شخص حصول معاش میں مشغول رہتا تو دوسرا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر رہتا۔

چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ میرے ہمسائے ایک انصاری صحابی تھے جن کے ساتھ میں نے یہ انتظام کررکھا تھا کہ ہم میں سے باری باری ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر رہتا اور جو کچھ دیکھتا یا سنتا اسے دوسرے کو ملاقات کے وقت مطلع کردیا کرتا۔[8]

اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت اصحاب صفہ ہر وقت مسجد نبوی میں حاضر رہتی تھی، جنہوں نے دنیاوی کاروبار ترک کئے ہوئے تھے ان کا شغل صرف قرآن حکیم کی تعلیم اور تعلم اور ذکر وشغل ہی تھا جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تو وہ اس کو یاد کرلیتے تھے چنانچہ مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں قرآن اور کتابت کی تعلیم دیا کرتا جن لوگوں کو دن کے وقت فرصت نہیں ملتی تھی ان کے لئے رات کو سیکھنے کا موقع ہوتا تھا، جب رات ہوجاتی تو اصحابِ صفہ مدینہ کے ایک معلم کے پاس جاتے اور صبح تک پڑھنے میں مشغول رہتے''[9]

آنحضرت ﷺ نے صرف مدینہ کے لوگوں کا ہی نہیں دیگر اطراف وبلاد کے لوگوں کی تربیت کا بھی انتظام فرمایا ہوا تھا دور دراز کے قبائل کے بعض نمائندے مدینہ میں آکر قیام کرتے او ریہاں قرآن کی تعلیم حاصل کرتے[10]۔

فتح مکہ کے بعد اس تعلیم قرآن میں مزید وسعت ہوئی آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو بدوؤں کی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا کہ وہ حجاز کے قبائل میں گھوم پھر کر ہر شخص کا امتحان لیں اور جس کو قرآن یاد نہ ہو اس کو سزا دیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بعض قرآن کے معلم ہونے کا منصب سنبھالے ہوئے تھے آنحضرت ﷺ ان سے خود بھی قرآن سنتے اور انہیں قرآن سناتے بھی تھے ان میں سے بعض صحابہ کرامؓ کے اسماء ذکر کئے جاتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ۔

قرآن کریم کا اپنی کتابت اور نوشتگی کا اعلان:

قرآن کریم اپنی کتابت اور نوشتگی کے بارے میں ببانگ دہل اعلان کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ:

(۱) ﴿وقالوا اساطیر الاولین اکتتبها فهی تملیٰ علیه بکرة واصیلا﴾ [۱]

ترجمہ: اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جن کو اس نے لکھ رکھا ہے سو وہ ہی لکھوائی جاتی ہیں اس کے پاس صبح وشام۔

کفار عرب کے مذکورہ جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی کتابت ایک عام اور پھیلی ہوئی بات تھی جسے وہ بھی جانتے تھے جنہوں نے اب تک اس کو خدا کی کتاب بھی نہیں مانا تھا۔

قرآن کریم کے نزول کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کو لکھ کر محفوظ کیا جا رہا تھا جس کو قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے:

۲) ﴿والطور و کتٰب مسطور فی رق منشور﴾ [۲]

ترجمہ: قسم ہے (کوہ) طور کی، اور لکھی ہوئی کتاب کی جو باریک جھلّی کھلی ہوئی پر لکھی ہوئی ہے۔

تفسیر فتح البیان میں لکھا ہے کہ کتاب مسطور جو رق منشور میں لکھی ہوئی ہے اس سے مراد قرآن ہے۔[۱۳]

''رق'' ایک خاص قسم کی باریک جھلی کو کہتے ہیں جو لکھنے کے کام کے لئے تیار کی جاتی ہے انگریزی میں اس کے لئے Parchment کا لفظ استعمال ہوتا ہے قدیم زمانہ کی تورات، انجیل وغیرہ اس پر لکھی ہوئی اب بھی ملتی ہے۔[۱۴]

قرآن کی یہ آیت اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ قرآن کتابی شکل میں محفوظ کیا جا رہا تھا۔

قرآن کریم اپنی کتابت کی مزید تفصیل بتاتے ہوئے یوں فرماتا ہے۔

(۳) ﴿فی صحف مکرمة مرفوعة مطهرة بأيدى سفرة كرام بررةٍ﴾ [۱۵]

ترجمہ: صحیفوں میں لکھا ہوا ہے ایسے صحیفے جو مکرم ومحترم ہیں پاک ہیں لکھے ہوئے ہیں ہاتھوں سے ان لکھنے والوں کے جو بڑے بزرگ اور پاکباز ہیں۔

قرآن کی مذکورہ آیت سے صرف یہی نہیں معلوم ہو رہا کہ قرآن صحیفوں میں لکھا جا رہا تھا بلکہ اس کے لکھنے والوں کی ان اعلیٰ خصوصیات کا بھی اظہار فرمایا ہے جن میں صحت نویسی کی ضمانت پوشیدہ ہے۔

۴) قرآن کریم نے مزید فرمایا:

﴿لايمسّه الا المطهرون﴾ [۱۶]

ترجمہ: نہیں چھوئیں اس کو (یعنی قرآن کو) مگر وہی لوگ جو پاک ہوں۔

مذکورہ آیت میں خود قرآن نے اپنے آپ کو ایک نوشتہ اور مکتوبہ شکل میں پیش کیا ہے جس

کے مس اور چھوئے جانے کا بھی امکان تھا ورنہ ممانعت یقیناً ایک بے معنی سی بات ہو جاتی ہے کیونکہ چھوا کتاب کو ہی جا سکتا ہے۔

قرآن کریم کی مذکورہ آیات روز روشن کی طرح اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ قرآن کریم کا جو جو حصہ نازل ہو رہا تھا وہ ساتھ ساتھ لکھا بھی جا رہا تھا قرآن کریم کی یہ شہادت ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔

دورِ رسالت میں قرآن کی تحریری حفاظت:

دورِ رسالت میں جہاں قرآن کریم کو حفظ کیا جا رہا تھا جو کہ قرآن کا بطرز اداحفاظت کا انداز ہے اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کو آنحضرت ﷺ کے دور میں لکھنے کا بھی منضبط انتظام تھا اس سلسلے میں کتب حدیث میں بڑی مضبوط روایات موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قرآن کے لکھنے کا اول ہی سے انتظام فرما لیا تھا۔ چنانچہ ام خالد بن سعید بن ابی العاص کہتی ہیں کہ اوّل بسم اللہ میرے باپ نے لکھی (یعنی خالد بن سعید نے جو پانچویں مسلمان تھے) [17]

چونکہ آپ ﷺ خود لکھنا نہیں جانتے تھے اس لئے آپ نے قرآن کو اپنے ہاتھ سے تو نہیں لکھا جس کو خود قرآن نے ہی یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ولا تخطّه بيمينک﴾ [18]

ترجمہ: اور نہ لکھا ہے اس کو تم نے اپنے ہاتھ سے۔

لیکن کتابت قرآن کے سلسلے میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہ میں چالیس سے اوپر حضرات کو اس کام کے لئے مقرر کر رکھا تھا کہ جس وقت قرآن کی جس سورۃ کی جن آیتوں کی وحی ہو فوراً پہنچ کر ان کو لکھ لیا کریں چنانچہ جناب ''العراقی'' نے سیرت میں ان کاتبوں کے نام گنواتے ہوئے نظم کی ابتداء اس مصرعہ سے کی ہے:

''كتابه اثنان واربعون'' [19]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں کی تعداد بیالیس تھی۔

کاتبوں کی اتنی بڑی تعداد مقرر کرنے کی وجہ یہی تھی کہ وقت پر ایک نہ ملے تو دوسرا اس کو انجام دیدے، عقد الفرید، میں ابن عبدربہ نے حضرت حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ صحابی کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے:

"ان حنظلة بن ربیع کان خلیفة کل کاتب من کتابه علیه السلام اذا غاب عن عمله" [20]

ترجمہ: حنظلہ بن ربیع رسول اللہ ﷺ کے تمام کاتبوں کے خلیفہ اور نائب تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حنظلہؓ کو یہ حکم تھا کہ خواہ کوئی رہے یا نہ رہے وہ ضرور رہیں تاکہ کاتبوں میں سے اتفاقاً وقت پر اگر کوئی نہ ملے تو کتابت وحی کے کام میں کوئی رکاوٹ نہ واقع ہو، اسی انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ نزول کے ساتھ ہی ہر قرآنی آیت قید کتابت میں آکر قلم بند ہو جاتی تھی۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے طبرانی کے حوالہ سے مجمع الزوائد میں یہ روایت ہیثمی نے نقل کی ہے:

حدیث: ۷۲۵۸ "قالت کان جبرئیل علیه السلام یملی علی النبی ﷺ" [21]

ترجمہ: ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کو لکھواتے تھے"۔

بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ نزول کے ساتھ ہی جبرئیل علیہ السلام کے سامنے رسول اللہ ﷺ نازل شدہ آیتوں کو لکھوا دیا کرتے تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ جیسا کہ معلوم ہے کہ نہ لکھنا جانتے اور نہ قرآنی آیتوں کو خود لکھا کرتے تھے انتہاء اس احتیاط کی یہ تھی کہ جب "غیر اولی الضرر" کے الفاظ بطور اضافہ کے "لایستوی القاعدون" [22] والی آیت کے متعلق نازل ہوئے مگر یہی

اضافہ جو بقول امام مالکؒ حرف واحد کی حیثیت رکھتا تھا ۲۳ لیکن اس یک حرفی اضافہ کو بھی اسی وقت آنحضرت ﷺ نے قلمبند کرنے کا حکم دیا جس وقت وہ نازل ہوا ۲۴۔

آنحضرت ﷺ رسم قرآنی کی تعلیم بھی بیان فرمایا کرتے تھے جیسا کہ کاتب وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول اللّٰہ ﷺ یامعاویة الق الدواة وحرِّف القلم وانصب الباء وفرق السین ولاتعورالمیم وحسن اللّٰہ ومد الرحمن وجود الرحیم وضع قلمک علی اذنک الیسریٰ فانه اذکر لک'' ۲۵۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے معاویہ! دوات کا منہ کھلا رکھو تا کہ تنگی کے سبب دقت نہ ہو اور قلم پر ترچھا قط لگاؤ اور بسم اللہ کی باء کو خوب بڑی لکھو اور سین کے دندانوں کو بھی واضح کرو اور میم کی آنکھ کو خراب نہ کرو اور اللہ کو خوبصورت لکھو اور رحمٰن کو یعنی اس کے نون کو دراز کرو اور الرحیم کو بھی عمدگی سے لکھو تا کہ حق تعالیٰ کے اسم گرامی اور انکی صفات کی شان خوب ظاہر ہو اور اپنے قلم کو اپنے بائیں کان پر رکھو وہ تمہیں بھولی ہوئی چیز یاد کرادے گا۔

اس حدیث مذکورہ سے نہ صرف کتابت بلکہ طریقۂ کتابت بھی معلوم ہو رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ الفاظ کے لکھنے کا طریقہ وطرز بھی بتلایا کرتے تھے۔

اسی طرح کتابت قرآن کے متعلق ایک اور حدیث صحیح بخاری باب کاتب النبی ﷺ میں ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کما نزلت لایستوی القٰعدون الخ ، قال النبی ﷺ ادعوا الی زیدا فلیجئی باللوح والدواة والکتف أو الکتف والدواة ثم قال اکتب لایستوی القٰعدون الخ ۲۶

یعنی جب آیت لایستوی القٰعدون (۲۷) نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرت زیدؓ کو میرے پاس بلالاؤ اور کہو کہ دوات اور لوح اور کتف یا کتف اور دوات ساتھ لائیں پس جب وہ آگئے تو پھر فرمایا کہ لایستوی القٰعدون الخ لکھو۔

اسی طرح کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کتابت قرآن کے بارے میں ایک روایت میں فرماتے ہیں:

"کنت اکتب الوحی لرسول اللّٰہ ﷺ وکان اذا نزل علیه الوحی أخذته برخاء شدیدة وعرق عرقا مثل الجمان ثم مسری عنه فکنت ادخل علیه بقطعة امکتف أو کسوة فأکتب وهو یملی علی فما أفرغ حتی تکاد رجلی تنکسر فی نقل القرآن ....فاذا فرغت قال اقرأ فأقرءه فان کان فیه سقط أقامه ثم اخرج به الی الناس" ۲۸

خلاصہ یہ ہے کہ زید بن ثابت کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو مجھ کو بلاتے میں تختی وغیرہ لیکر آتا اس پر لکھاتے پھر سنتے اگر کوئی غلطی ہوتی تو صحیح کرادیتے پھر میں اس کو لوگوں میں لاتا تھا۔

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے دور میں قرآن کریم لکھا جاتا رہا ہے اور یہ مکتوب شدہ حصے مختلف لوگوں کے پاس موجود تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا سبب یہی بات بنی تھی کہ جب بہن کے پاس تشریف لائے تو وہ تلاوت میں مشغول تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو چھیننا چاہا تو بہن نے انکار کر دیا تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہن کو مارا پیٹا اور آخر کار تھک ہار کر بہن سے کہنے لگے:

"اعطینی الصحیفة اللتی سمعتکم تقرؤن انفاً" ۲۹

ترجمہ: یعنی جو صحیفہ (کتاب) تم لوگوں کو میں نے پڑھتے ہوئے سنا مجھے دو"

اس پر ان کی بہن نے کہا تم ناپاک ہو ایسی حالت میں اس کو چھو نہیں سکتے۔

"فاغتسل فأعطته الصحيفة".

تب حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور بہن نے صحیفہ ان کو دے دیا، اور حضرت عمرؓ نے صحیفے کو لے لیا۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے قرآن کو لیکر دشمن کے علاقے میں جانے سے منع فرمایا چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے:

"عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ نهى ان يسافر بالقرآن الى ارض العدو" ۳۰۔

عمرو بن حزم صحابی کو حضور ﷺ نے یمن کا گورنر مقرر کیا تو کچھ احکام لکھائے انمیں ایک حکم یہ بھی تھا:

"فلا يمس القرآن انسان الا وهو طاهر" ۳۱۔

کہ قرآن کو پاک آدمی ہی چھوئے۔

ظاہر ہے کہ یہ چھونا مکتوب ہی کا ہوسکتا ہے۔

دورِ رسالت میں قرآن کے مکتوب ہونے کی شہادت دارقطنی کی وہ تاریخی روایت بھی دیتی ہے جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری خطبہ میں جب یہ فرمایا کہ "اے لوگو! علم حاصل کرو قبل اس کے کہ علم اٹھالیا جائے" اس پر ایک اعرابی نے کہا کہ کیا علم اٹھالیا جائے گا حالانکہ "المصاحف" (مکتوبہ قرآنی نسخے) ہمارے درمیان موجود ہیں۔۳۲۔

کیا اس سے زیادہ صریح شہادت اس بات کی مل سکتی ہے کہ عہد نبوت میں گھر گھر قرآن کے نسخے پھیل چکے تھے اسکے علاوہ اور بھی بہت سی روایات اس سلسلے میں پیش ہوسکتی ہیں۔

آپ ﷺ کا مکتوب حصہ پر نظر ثانی کرنا:

حضور اقدس ﷺ قرآن کریم کی نازل شدہ آیات کے صرف لکھوانے پر ہی قناعت

نہیں فرماتے تھے بلکہ انتہاء درجہ کی احتیاط یہ تھی کہ جب کاتب اس کولکھ لیتے آپ ﷺ پڑھوا کر سنتے تھے کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"فان كان فيه سقط أقامه "۳۳

ترجمہ: اگر کوئی حرف یا نقطہ لکھنے سے چھوٹ جاتا تو اس کو رسول اللہ ﷺ درست کرواتے تھے۔

حدیث کے اس مذکورہ جملے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کو کتابت قرآن کی کس قدر فکر تھی اور کمال احتیاط یہ کہ ایک نقطہ کے چھوٹ جانے کو بھی گوارا نہیں فرماتے تھے۔ جب یہ کام پورا ہو جاتا تب اشاعت عام کا حکم دیا جاتا پھر جو لکھنا جانتے تھے لکھ لیا کرتے تھے اور زبانی یاد کرنے والے یاد کر لیتے، یہی مطلب ہے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کا۔

"ثم اخرج به الى الناس" ترجمہ (یعنی جب کتابت وتصحیح وغیرہ کے سب مراحل پورے ہو جاتے تب ہم لوگوں میں اس کو نکالتے یعنی شائع کرتے)۔

ابتداءً قران رقاع (چمڑا) لخاف (پتھر کی سفید پتلی پتلی تختیاں) کتف (اونٹ کے مونڈھے کی گول ہڈی) اور عسیب (کھجور کی جڑ کا وہ کشادہ عریض حصہ جس میں کانٹے والے پتے نہیں ہوتے) اور اسی جیسی دوسرے چیزوں میں لکھا جاتا تھا۔۳۴ چنانچہ مستدرک حاکم میں یہ روایت پائی جاتی ہے کہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں:

"كنا عند رسول الله ﷺ نؤلف القرآن من الرقاع" ۳۵۔

ترجمہ: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر رقاع (چمڑے کے ٹکڑوں) میں قرآن کی تالیف کرتے تھے"۔

آنحضرت ﷺ نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غایت احتیاط سے کام لیتے ہوئے وحی کی ان ابتدائی مکتوبہ یادداشتوں کے لکھوانے کے لئے ایسی چیزوں کا انتخاب فرمایا تھا جن کے متعلق یہ توقع

کی جاسکتی ہے کہ عام حوادث وآفات کا نسبتاً زیادہ مقابلہ کرسکتی ہیں اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ خلافت صدیقی میں حکومت کی طرف سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جونسخہ تیار کیا تو ساری یادداشتیں جوں کی توں اصلی حالت میں ان کو مل گئیں، بخلاف کاغذ کے کہ وہ آفات میں جلد ضائع ہونے والا ہے۔

ترتیب قرآن

قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب اور ہر سورت میں آیتوں کی ترتیب رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں وحی کی روشنی میں قائم فرمادی تھی، جب بھی کوئی سورت نازل ہوتی تو آپ کاتب وحی سے اسے لکھواتے اور ہدایت فرماتے تھے کہ اس سورت کو فلاں سورت کے بعد اور فلاں سورت سے پہلے لکھو، اگر قرآن کا کوئی ایسا حصہ نازل ہوتا جسے مستقل سورت بنانا مقصود نہ ہوتا تو آپ ارشاد فرماتے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں مقام پر درج کردو، پھر اسی ترتیب سے آپ اس کی تلاوت فرماتے تھے صحابہ کرام بھی اسی ترتیب سے تلاوت کرتے اور حفظ میں بھی اسی ترتیب کا لحاظ رکھتے تھے۔

یہ ایک ثابت شدہ اور ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ قرآن حکیم کی ترتیب اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق اور حضرت جبریل امین کی رہنمائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اپنی حین حیات میں قائم فرمائی تھی، جس دن وحی کا نزول مکمل ہوا اسی دن اس کی ترتیب بھی مکمل ہوگئی بالفاظ دیگر قرآن حکیم کا نازل کرنے والا ہی اس کا مرتب ہے جس دل پر یہ کلام نازل ہوا اسی کے ہاتھوں اسے مرتب بھی کرادیا گیا کسی غیر کی مجال نہ تھی کہ اس ترتیب میں مداخلت کرتا۔[۳۶]

ترتیب کی دو قسمیں ہیں:

۱) ترتیبِ نزولی ۲) ترتیبِ رسولی

ترتیبِ نزولی:

یعنی جس ترتیب سے قرآن نازل ہوا، اس ترتیب پر بعض صحابہ نے قرآن کو لکھا تھا جب کوئی سورت نازل ہوئی وہ لکھ لیتے لیکن چونکہ شان نزول میں صحابہ میں اختلاف ہے اسلئے سب کی ترتیب ایک سی نہ تھی، مختلف ترتیبیں تھیں، یہ انہوں نے اس لئے جمع نہیں کیا تھا کہ قرآن اسی ترتیب پر رہے گا بلکہ وہ وقت کے وقت لکھ لیتے تھے قرآن کی آیات وسور میں باہم ربط ومناسبت ہے دوسری ترتیب سے ربط بگڑ جاتا ہے وہ ایسے ناواقف اور کم علم نہ تھے کہ کلام کو ربط کے خلاف مرتب کرتے، چونکہ سلسلہ وحی جاری تھا کسی کو معلوم نہ تھا کہ اور کیا ہونے والا ہے، اسلئے کسی نے اس ترتیب سے قرآن مرتب نہیں کیا جب سلسلہ وحی منقطع ہوگیا تو اس ترتیب پر سب نے بالاتفاق مرتب کیا اس ترتیب پر سب کیونکر متفق نہ ہوتے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ تھی اور حضور اور تمام صحابہ اسی ترتیب سے پڑھتے تھے۔[۳۷]۔

علامہ ابن حصار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کی بھی آنحضرت ﷺ کو وحی ہوتی تھی حضور اسی کے موافق آیتوں اور سورتوں کا موقع بیان فرمادیتے تھے اسی وجہ سے تمام صحابہ کا اس ترتیب پر اجماع ہے، چونکہ آیتوں اور سورتوں میں باہم ربط ہے اور شان نزول پر سب کا اتفاق نہیں اسی وجہ سے حضرت عکرمہ نے امام ابن سیرین سے کہا کہ انسانوں اور جنوں کی مجموعی طاقت سے باہر ہے کہ قرآن کو شان نزول کے موافق مرتب کرسکیں۔ محققین یورپ نے کوشش کی کہ قرآن کی سورتوں کو ایک قسم کی تاریخی ترتیب دیں لیکن یہ سب ناکام رہے اور انہوں نے اپنی ناکامی کا اعتراف کیا۔[۳۸]۔

ڈاکٹر تھیوڈر نوبل ڈلکی نے ۱۸۶۰ء میں تاریخ قرآن شائع کی یہ یورپ میں ایسی مقبول ہوئی کہ گورنمنٹ نے اس کو انعام دیا اس نے لکھا کہ ترتیب نزولی کا معلوم کرنا ناممکن ہے۔

میور نے تفصیلی طور پر ترتیب معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن اسے کامیابی نصیب نہیں ہوئی وہ کہتا ہے کہ یہ بھی ناممکن ہے کہ محمد کے کسی ہم عصر نے ایسی فہرست تیار کی ہو۔

ڈاکٹر ایچ گرام نے بھی اس کی کوشش کی لیکن وہ بھی ناکامیاب ہوا۔

ڈاکٹر ہارٹ وک ہرش فیلڈ نے بھی یہ کام شروع کیا تھا لیکن وہ لکھتا ہے کہ اب تک میں نے تین سورتوں کو تاریخی جگہ دینے کی جو کوشش کی ہے وہ ایک حد تک بری ابتداء ہے جس کے ذریعہ سے میں نے قرآن کی سورتوں کی تنزیلی ترتیب کی چھان بین شروع کی میں پہلے ہی سے یہ اقرار کیوں نہ کرلوں کہ اس سلسلہ میں قابل اعتماد نتائج حاصل کرنے کی بہت ہی کم امید ہے۔ ۳۹

قرآن مجید کی آیتوں اور سورتوں میں باہم ربط ہے جس کلام میں ربط نہ ہو وہ فصیح و بلیغ نہیں ہوسکتا موجودہ ترتیب سے سورتوں کا ربط قائم ہے ترتیب نزولی سے ربط قائم نہیں رہتا۔

ترتیبِ رسولی:

ترتیب رسول سے مراد قرآن کریم کی وہ ترتیب ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کی تعلیم سے قائم کیا اور صحابہ کرام کو تعلیم کی اور وہ ترتیب یہی قرآن کی موجودہ ترتیب ہے۔

ترتیب آیات:

قرآن کی آیات کی موجودہ ترتیب سرکار دو عالم ﷺ کی فرمائی ہوئی ہے اس کی دلیل میں صحیح بخاری کی وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جو عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آیت قرآنی ﴿والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا ....﴾ الخ، کو دوسری آیت نے منسوخ کردیا ہے پھر آپ نے اس کو قرآن کریم کے نسخہ میں باقی کیوں رہنے دیا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا ''بھتیجے! میں قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا'' ۴۰۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کو معلوم تھا کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہوچکی ہے مگر تاہم اس آیت کو اس کی جگہ سے تبدیل نہ کرسکے۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ حضرت جبریل سرورکائنات ﷺ کو ترتیب قرآن سے آگاہ کرچکے ہیں اس لئے اب کوئی شخص اس میں

تبدیلی کا مجاز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو بھی خداوندی ترتیب سے آگاہ کر دیا تھا۔

امام احمد نے اسنادِ حسن کے ساتھ عثمان بن ابی العاص ؓ سے روایت کی ہے کہ میں ایک روز بارگاہ نبوی میں بیٹھا تھا، آپ نے نگاہ اٹھائی اور پھر نیچے کر کے فرمایا:

''میرے پاس جبریل آئے تھے انہوں نے کہا کہ آیت کریمہ ﴿ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان و ایتآء ذی القربی﴾ کو فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھئے۔[41]

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ جب آیت ﴿واتقوا یوما ترجعون فیه الی اللّٰه﴾ نازل ہوئی (فقال جبریل للنبی ضعها علی رأس مأتین و ثمانین من سورۃ البقرۃ) تو جبریل نے رسول کریم سے کہا اس کو سورہ بقرہ کی (۲۸۰) آیتوں کے بعد لکھو۔

بعض علماء نے ﴿ورتل القرآ ن ترتیلاً﴾[42] کی تفسیر یوں کی ہے کہ ''قرآن کو اسی ترتیب کے مطابق بلا تقدیم وتاخیر پڑھئے'' جو شخص اس کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ موردِ الزام ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''عن عثمان بن عفان قال کان رسول اللّٰه ﷺ مما یاتی علیه الزمان ینزل علیه من السور ذوات العدد فکان اذا نزل علیه الشئی یدعوا بعض من یکتب عنده فیقول ضعوا هذا فی السور التی یذکر فیها کذا[43]۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ ایسے اوقات میں جب کہ آپ پر چند سورتیں ایک ہی وقت میں نازل ہوتی رہتی تھیں جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ان حضرات میں سے جو قرآن کی کتابت کیا کرتے تھے کسی ایک کو بلا کر اسے فرماتے کہ یہ آیت فلاں سورت میں جہاں ایسا ایسا ذکر ہے لکھو''۔

''عن ابی الدرداء ان النبی ﷺ قال من حفظ عشر آیات من اول سورة الکهف عصم من الدجال'' ۴۴؎ ۔

ترجمہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے سورہ کہف کی اول دس آیتیں حفظ کرلیں وہ دجال سے محفوظ ہوگیا۔

عن معقل بن یسار عن النبی ﷺ قال من قال حین یصبح ثلث مرات اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم وقرأ ثلاث آیات من آخر سورہ الحشر الخ ۴۵؎ ۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جوصبح کوتین مرتبہ اعوذ پڑھ کرسورہ حشر کی آخر کی دس آیتیں پڑھے۔

''عن ابی مسعود البدری قال قال رسول اللّٰہ ﷺ الایتان سورة آخر سورة البقرة من قرأ ھما فی لیلة کفتاہ'' ۴۶؎ ۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا جوآخر سورہ بقرہ کی دوآیتیں رات کو پڑھے وہ اس کوکافی ہوگی۔

مذکورہ بالا روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے قرآن کی آیات کی ترتیب خودفرمائی ہے اسی لئے تو فرمارہے ہیں فلاں سورت کا شروع پڑھ لیا جائے تو یہ فائدہ ہوگا اور فلاں سورت کا آخر پڑھ لیا جائے تو یہ فائدہ ہوگا۔

اس کے علاوہ کتب حدیث میں ایسی لاتعداد روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کاتبین وحی صحابہ کرام کوقرآن مجید لکھواتے اوران کوآیات کی ترتیب سے آگاہ کیا کرتے تھے ۴۷؎ ۔

احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے قرآن کریم کی متعدد سورتیں نماز کے دوران یا خطبہ

جمعہ میں ترتیب آیات کے ساتھ صحابہ کرام کی موجودگی میں تلاوت کیں۔

یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ آیات کی ترتیب توفیقی ہے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ صحابہ کسی سورت کی آیات کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب کے خلاف کریں معلوم ہوا کہ آیات کی ترتیب تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہے۔[۴۸]

مذکورہ تمام کی تمام روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آیات کی ترتیب وتنظیم حضور اکرم ﷺ نے فرمادی تھی۔

ترتیب آیات پر قرآنی شہادت:

قرآن کی اندرونی شہادت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ ترتیبِ توفیقی ہے یعنی جس آیت میں کسی دوسری آیت کا حوالہ ہے وہ آیت اس سے پہلے واقع ہوئی ہے جیسے آیت ﴿مایتلی علیکم فی الکتاب فی یتامی النسآء﴾ میں آیت ﴿واتوا الیتامی اموالھم﴾ کا حوالہ ہے چنانچہ یہ آیت اس سورہ میں اس سے پہلے واقع ہے اسی طرح سورہ حج میں ﴿احلت لم الانعام الا مایتلی علیکم﴾ اس آیت میں جن حرام جانوروں والی آیات کا حوالہ ہے وہ سب اس سورہ سے پہلی سورتوں میں ہیں یعنی بقرہ، مائدہ، انعام اور نحل، اس سورۃ یعنی سورہ حج کے بعد کسی سورت میں تااخر قرآن یہ آیات نہیں ہیں اسی ترتیب آیات کے متعلق حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا ہے'' قال کنا عند رسول اللہ ﷺ نؤلف القرآن فی الرقاع'' ہم رسول اللہ ﷺ کے سامنے پرزوں پر قرآن تالیف کررہے تھے، تالیف کہتے ہیں ترتیب ومناسبت سے جمع کرنے کو۔

آیتوں کی ترتیب کے متعلق علامہ سیوطیؒ نے امت کا اجماع نقل کیا ہے کہ قرآن حکیم کی آیتوں کی ترتیب توفیقی ہے اور مسلمانوں نے اس ترتیب میں کبھی اختلاف نہیں کیا۔ علامہ سیوطیؒ نے اس سلسلہ میں علماء کرام کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

''اس بیان سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام نے صرف قرآن کو جمع کرنے کی کوشش کی تھی نہ کہ

اسے ترتیب دینے کی، کیونکہ قرآن بلاشبہ اسی ترتیب کے ساتھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے'' ۴۹ ۔

علامہ زرقانیؒ نے اپنی کتاب ''مناهل العرفان'' میں آیات کی ترتیب کے متعلق تفصیلی بحث کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''امت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ مصاحف میں قرآن حکیم کی آیات جس ترتیب سے درج ہیں یہ ترتیب اللہ تعالیٰ کے حکم کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کی اپنی قائم کردہ ہے اس ترتیب میں کسی غیر کی رائے کو دخل ہے نہ کسی کے اجتہاد کو، بلکہ حضرت جبرئیل امین آیات نازل کرتے تو یہ ہدایت بھی کر دیتے تھے کہ ان آیتوں کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر رکھو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان آیتوں کی تلاوت فرماتے او رکاتبان وحی کو انہیں قلمبند کرنے کا حکم دیتے تو سورتوں میں ان کے مقامات کا تعین بھی کر دیا کرتے تھے پھر آپ بار بار ان کی تلاوت کرتے، نمازوں میں ان کی قرأت کرتے، وعظ اور خطبوں میں ان کا حوالہ دیتے حضرت جبریل امین آپ کو ہر سال (رمضان میں) قرآن حکیم سناتے، حتی کہ انہوں نے آپ کی زندگی کے آخری سال اسے دو دفعہ پڑھا، یہ سب اسی ترتیب کے موافق تھا جو ترتیب آج ہم اپنے مصاحف میں پاتے ہیں صحابہ کرام بھی قرآن حکیم کو اسی ترتیب سے پڑھتے اور پڑھاتے تھے حفظ کرنے والے بھی اسی ترتیب سے یاد کرتے تھے، خلفاء راشدین اور صحابہ کرام میں سے کسی ایک فرد نے بھی اس ترتیب میں تغیر وتبدل نہیں کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن حکیم کی جو تدوین ہوئی یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو مصاحف لکھے گئے ان سب میں ترتیب نبوی ہی کو پیش نظر رکھا گیا تھا اس ترتیب سے کسی شخص نے بھی سر مو انحراف نہیں کیا کیونکہ اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ ۵۰

سورتوں کی ترتیب:

قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں:

۱) تمام سورتوں کی ترتیب اجتہادی ہے۔

۲) بعض سورتوں کی ترتیب اجتہادی اور بعض کی توفیقی ہے۔

۳) تمام سورتوں کی ترتیب توفیقی ہے۔[۵۱]

پہلا قول:

یہ پہلا قول حضرت امام مالکؒ اور قاضی ابوبکرؒ کا ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی تمام سورتوں کی ترتیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد پر مبنی ہے۔[۵۲]

کیونکہ ان قدسی نفوس نے جتنے مصاحف لکھے تھے انکی ترتیب نہ صرف مصحف عثمانی سے مختلف تھی بلکہ وہ آپس میں بھی مختلف تھے کسی صحابی کے مصحف کی ترتیب دوسرے صحابہ کرام کے مصاحف سے نہیں ملتی تھی اس اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر شخص نے اپنے اجتہاد کی روشنی میں سورتوں کو مرتب کیا تھا اگر سورتوں کی ترتیب توفیقی ہوتی تو صحابہ کرام اس سے تجاوز نہ کرتے۔[۵۳]

صحابہ کرام کے مصاحف کی ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سورتوں کی ترتیب اجتہادی ہے ذیل میں چند صحابہ کرام کی سورتوں کی ترتیب ملاحظہ فرمائیں:

(الف) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مصحف کے شروع میں یہ سورتیں ہیں: اقرا، ن، **الضحی، المزمل، المدثر، الفاتحہ**.................

(ب) حضرت ابی بن کعبؓ کے مصحف کا آغاز ان سورتوں سے ہوتا تھا: **الفاتحہ، البقرہ، النساء، آل عمران، الانعام، الاعراف، المائدہ** ....

(ج) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف کی ابتداء ان سورتوں سے ہوتی تھی: **البقرہ ، النساء ، آل عمران ، الاعراف ، الانعام ، المائدہ ، یونس** ۵۴

امام مالکؒ اور قاضی ابوبکرؒ نے صحابہ کرام کے مصاحف میں سورتوں کی مذکورہ مختلف ترتیب کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے قول پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ "اصحاب رسول اللہ ﷺ نے یہ ترتیب اپنے اجتہاد سے قائم کی تھی، کسی نے "طوال" (بڑی سورتوں) کو شروع میں رکھا اس کے بعد مئین (سوآیات سے زائد والی سورتوں) کو درج کیا اس کے بعد مثانی (سوآیات سے کم والی سورتوں کو) جگہ دی اور آخر میں مفصل (چھوٹی سورتیں) لائے اس کے برعکس کسی نے ترتیب نزول کو ترجیح دی اور تاریخی لحاظ سے پہلے نازل ہونے والی سورتوں کو سب سے پہلے اور بعد میں نازل ہونے والے حصۂ قرآن کو بعد میں لکھا، اگر سورتوں کی ترتیب توفیقی ہوتی تو صحابہ کرام اختلاف کا شکار نہ ہوتے بلکہ تمام مصاحف میں ترتیب یکساں ہوتی۔۵۵

دوسرا قول:

بعض حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اکثر سورتوں کو تو خود ہی مرتب کر دیا تھا اور نماز میں اسی ترتیب کے مطابق تلاوت فرماتے تھے لیکن چند سورتیں ایسی تھیں جن کو صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے مرتب کیا تھا۔۵۶ ۔

۱) چنانچہ قاضی ابن عطیہؒ فرماتے ہیں:

"بہت سی سورتوں کی ترتیب نبی اکرم ﷺ کی زندگی ہی میں لوگوں کو معلوم ہو چکی تھی جیسے شروع کی سات بڑی سورتیں، وہ سورتیں جو "حم" سے شروع ہوتی ہیں اور "مفصل" (آخری پاروں کی سورتیں) ان کے علاوہ باقی سورتوں کی ترتیب کا معاملہ ممکن ہے کہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے چھوڑ دیا گیا ہو"۔۵۷ ۔

(ب) محدث بیہقیؒ کہتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں قرآن کی سورتیں اور آیتیں موجودہ ترتیب کے مطابق مرتب ہوچکی تھیں ماسوائے سورہ الانفال اور سورہ البرأۃ کے''۔۵۸؎ ۔

دوسرے قول کی دلیل:

دوسرے قول کی دلیل درج ذیل روایت ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے (مصاحف لکھے جانے کے بعد) دریافت کیا'' کیا وجہ ہے کہ آپ لوگوں نے سورہ انفال کو، جو مثانی میں سے ہے، سورہ برأۃ کے ساتھ جو مئین میں سے ہے ملا دیا ہے اور ان دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی نہیں لکھی اور ان دو سورتوں کو سات بڑی سورتوں میں جگہ دی ہے؟ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ پر متعدد سورتیں نازل ہوئیں، جونہی کوئی سورت یا آیت نازل ہوتی تو آپ کسی لکھنے والے کو بلا کر ارشاد فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورت میں فلاں فلاں مقام پر رکھو، سورۃ انفال مدنی دور کے اوائل میں نازل ہوئی تھی اور سورہ برأۃ آخری دور میں، نیز اس کا مضمون سورہ انفال کے مضمون سے ملتا جلتا تھا پس میں نے یہ سمجھا کہ یہ سورت سورت انفال ہی کا ایک حصہ ہے اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے اور یہ وضاحت نہ کر سکے کہ سورۃ برأۃ، سورہ انفال کا حصہ ہے (یا نہیں) اسی بناء پر میں نے ان دونوں سورتوں کو ملا کر لکھا اور ان کے درمیان "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کی سطر نہیں لکھی اور انہیں سات بڑی سورتوں میں درج کر دیا ہے''۔اس روایت کی سند حسن ہے۔۵۹؎ ۔

تیسرا قول:

جمہور علماء یہ رائے رکھتے ہیں کہ قرآن حکیم کی تمام سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔۶۰؎

یہ ترتیب رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں (وحی کی روشنی میں) خود ہی قائم کردی تھی، اس ترتیب میں کسی شخص کی رائے اور اجتہاد کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے خلافت میں ''مصحف امام'' لکھوایا تو تمام لوگوں نے نہ صرف اس مصحف کی ترتیب کو قبول کیا تھا بلکہ اپنے انفرادی مصاحف سے بھی دستبردار ہوگئے تھے اگر بالفرض سورتوں کی ترتیب ان کے اجتہاد سے ہوئی ہوتی تو وہ نہ اپنے مصاحف ترک کرتے اور نہ حضرت عثمانؓ کے مصحف کو قبول کرتے، ان کا اپنے مصاحف کو ترک کرنا اور مصحف عثمانی کی ترتیب کو قبول کرنا (بلکہ اس کی صحت پر اجماع کرنا) اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ ترتیب توفیقی ہے۔[٦١]

چنانچہ:

(۱) علامہ ابوجعفر نحاسؒ کہتے ہیں:

پسندیدہ ترین قول یہی ہے کہ سورتوں کی موجودہ ترتیب رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ ہے ''[٦٢]

(۲) علامہ ابوبکر انباریؒ کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے قرآن کو آسمان دنیا پر نازل فرمایا پھر اسے بیس سے کچھ اوپر (تئیس) سالوں میں جستہ جستہ نازل کیا، کسی سورت کا نزول کسی واقعہ کے پیش آنے پر اور کسی آیت کا نزول کسی پوچھنے والے کے سوال کے جواب میں ہوتا تھا، حضرت جبریل امین نبی کریم ﷺ کو سورت اور آیت کے مقام سے بھی آگاہ کردیتے تھے لہذا سورتوں کی ترتیب بھی آیتوں اور حروف کی ترتیب کی طرح رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہے پس جو شخص کسی سورت کو اپنے مقام سے مقدم یا موخر کرے گا وہ نظم قرآن میں خلل ڈالے گا''۔[٦٣]

(۳) علامہ کرمانیؒ نے فرمایا:

''سورتوں کی یہ ترتیب اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوح محفوظ میں بھی ہے اور اسی

ترتیب کے مطابق ہر سال رسول اللہ ﷺ اپنے پاس جمع شدہ قرآن کا حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ دور کیا کرتے تھے، اور آپ نے اپنے سال وفات میں ان کے ساتھ دو دفعہ دور کیا تھا''۔ ۶۴

(۴) **علامہ سیوطی** ؒ نے اس تیسرے قول کی تائید میں حضرت امام مالک ؒ کا بھی ایک قول نقل کیا ہے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''صحابہ کرام نے قرآن کی ترتیب فقط اسی انداز پر کی ہے جسے نبی اکرم ﷺ سے سنتے چلے آئے تھے'' ۶۵

(۵) ڈاکٹر صحی صالح نے اس تیسرے قول کی بڑے زوردار الفاظ میں تائید اور پہلے دو اقوال کی بڑی شدومد کے تردید کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''الرأی الراجح المختار اذن ان تالیف السور علی هذا الترتیب الذی نجده الیوم فی المصاحف هو کتالیف الایات علی هذا الترتیب توفیقی لا مجال فیه للاجتهاد'' ۶۶ ۔

ترجمہ: راجح اور پسندیدہ قول یہی ہے کہ سورتوں کی یہ تالیف وترتیب جسے آج ہم اپنے مصاحف میں پاتے ہیں آیات کی ترتیب کی طرح توفیقی ہے اس ترتیب میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

پہلے دونوں اقوال سے متعدد شکوک وشبہات جنم لیتے ہیں مستشرقین نے ان اقوال کی بناء پر پورے قرآن میں سورتوں کی ترتیب کو مشکوک ٹھہرا دیا ہے جبکہ آخری قول سے کوئی شک وشبہ پیدا نہیں ہوتا، لہذا یہ تیسرا قول پہلے دو اقوال کی نسبت زیادہ صحیح ہے۔ ۶۷

پہلے قول پر ایک نظر:

حضرت امام مالک ؒ اور قاضی ابوبکر رحمہ اللہ کا یہ قول اختیار کرنا کہ قرآن حکیم کی سورتوں کی

ترتیب صحابہ کرام کے اجتہاد پرمبنی ہے، ان کی یہ بات محل نظر ہے نیز ان حضرات کا صحابہ کرام کے مختلف مصاحف سے استدلال کرنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام نے یہ مصاحف محض اپنی سہولت کی خاطر لکھے اور مرتب کئے تھے ان کا مقصد لوگوں میں ان مصاحف کی نشر واشاعت نہ تھا۔ ۶۸؎

نیز وہ سورتوں کی اس مختلف ترتیب کو من جانب اللہ بھی نہیں سمجھتے تھے کیونکہ وہ پنجگانہ نمازوں، تراویح اور درس وتدریس میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھتے تھے جو انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے حاصل کی تھی یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے مصاحف لکھوائے اور ان میں سورتوں کی ترتیب ''عرضہ اخیرہ'' کی ترتیب کے مطابق قائم کی تو صحابہ کرام نے ان مصاحف کو قبول کرلیا تھا اور اپنے انفرادی مصاحف سے نہ صرف دستبردار ہوگئے تھے بلکہ حضرت عثمانؓ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے انہیں تلف بھی کردیا تھا، اگرانہوں نے یہ مصاحف اپنے اجتہاد کی بناء پر مرتب کئے ہوتے اور ان کے سامنے ترتیب نبوی نہ ہوتی تو کیا وہ اپنے ان انفرادی مصاحف کو چھوڑنے پر آمادہ ہوجاتے۔

ڈاکٹر صبحی صالح آیتوں اور سورتوں کی ترتیب کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''واما ترتيب السور فتوقيفي أيضا، وقد علم في حياته صلى الله عليه وسلم وهو يشمل السور القرآنية جميعا، ولسنا نملك دليلاً على العكس ، فلا مسوغ للرأى القائل ان ترتيب السور اجتهادى من الصحابة ، ولا للراى الاخر الذى يفصل فمن السور ماكان ترتيبه اجتهاديا، ومنه ما كان توقيفيا''

واذن فقول الزركشي : وترتيب بعضها ليس هو امرا أوجبه الله ، بل امر راجع الى اجتهادهم واختيار هم ، ولهذا كان لكل مصحف ترتيب، لا ينبغى ان يسلم على علاته ، لان اجتهاد الصحابة فى ترتيب مصاحفهم الخاصة كان اختيارا شخصيا لم يحاولوا ان يلزموا به احدا ، ولم يدعوا ان مخالفته محرمة ، اذ لم يكتبوا تلك المصاحف للناس وانما كتبوها

لانفسهم ، حتى اذا اجتمعت الامة على ترتيب عثمان اخذوا به وتركوا مصاحفهم الفردية ، ولو انهم كانوا يعتقدون ان الامر مفوض الى اجتهادهم ، مؤكول الى اختيارهم ، لاستمسكوا بترتيب مصاحفهم ، ولم ياخذوا بترتيب عثمان" ۶۹

رہی سورتوں کی ترتیب تو یہ بھی توقیفی ہے، آنحضرت ﷺ کی زندگی میں یہ ترتیب مشہور ومعروف تھی، یہ قرآن حکیم کی ساری سورتوں کو محیط ہے اس کے برعکس کوئی رائے اور کوئی دلیل ہمارے علم میں نہیں ہے، اس نظریے کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی کہ سورتوں کی ترتیب صحابہ کرام کے اجتہاد پر مبنی ہے اور نہ اس بات کی کہ کچھ سورتوں کی ترتیب اجتہادی اور کچھ کی توقیفی ہے۔

علاوہ ازیں علامہ زرکشیؒ کا یہ قول بھی قابل تسلیم نہیں ہے "بعض سورتوں کی ترتیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ نہیں بلکہ صحابہ کرام کے اجتہاد واختیار پر مبنی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر مصحف کی ترتیب جداگانہ تھی"

کیونکہ صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد کی بناء پر جو مخصوص مصاحف مرتب کئے تھے وہ ان کا ذاتی فعل تھا، انہوں نے کسی کو ان کا پابند بنانے کی کوشش نہیں کی تھی انہوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ ان کی ذاتی ترتیب کی مخالفت حرام ہے کیونکہ انہوں نے یہ مصاحف لوگوں کے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے لکھے تھے حتی کہ جب پوری امت مسلمہ حضرت عثمانؓ کے مرتب کردہ نسخہ پر متفق ہوگئی تو صحابہ کرام نے بھی اسی ترتیب کو قبول کرلیا تھا اور اپنے ذاتی نسخے ترک کردیئے تھے، اگر بالفرض ان کا اعتقاد یہ ہوتا کہ سورتوں کی ترتیب ان کے اجتہاد واختیار پر مبنی ہے تو وہ اپنے انفرادی مصاحف پر قائم رہتے اور حضرت عثمانؓ کے مرتب شدہ مصحف کو قبول نہ کرتے۔

تاریخ شاہد ہے کہ "عرضۂ اخیرہ" کی ترتیب کے مطابق مصاحف لکھے جانے کے بعد کسی شخص نے اس ترتیب کے خلاف کوئی مصحف نہیں لکھا۔ ۷۰

اس حقیقت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ دور نبوت میں جن افراد نے مصاحف لکھے تھے وہ ان

کی اپنی یادداشت کے لئے تھے عوام کیلئے نہیں تھے، لہذا ان ذاتی اور انفرادی مصاحف میں پائی جانے والی سورتوں کی مختلف ترتیب سے کسی قسم کا استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، عین ممکن ہے کہ حضرات امام مالک اور قاضی ابوبکر کے اقوال سمجھنے میں لوگوں کو غلطی ہوئی ہو اور ان کا وہ مفہوم نہ ہو جو بیان کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اے

دوسرے قول پر تبصرہ:

دوسرا قول بھی محل نظر ہے، کیونکہ قرآن حکیم ہم تک تواتر کی راہ سے پہنچا ہے اس کی صحت مسلم اور اس کی حیثیت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے اس باب میں شک پیدا کرنے والی روایات قابل قبول نہیں ہیں، ان علماء کرام نے اپنے استدلال کی بنیاد جس روایت پر رکھی ہے اس سے قرآن حکیم کی سورتوں کے بارے میں متعدد شکوک جنم لیتے ہیں۔ اس قسم کی روایات پر ہر زمانے کے علماء نے عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی (زیر بحث) روایت پر علماء قدیم وجدید نے شدید جرح کی ہے، ہم چند علماء کے اقوال ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ ۲ے

(ا) علامہ احمد عبدالرحمٰن البنا لکھتے ہیں:

''اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے حسن کہا ہے، محدث حاکمؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، علامہ ذہبیؒ نے ان کی تائید کی ہے اس کی سند میں ایک راوی یزید فارسی ہے جس کا ذکر امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ''الضعفاء الصغیر'' میں اس کے نام کے اشتباہ کی وجہ سے کیا ہے کہ وہ یزید بن ہرمز ہے یا کوئی اور۔ امام ترمذیؒ نے اسے حدیث حسن کہنے کے بعد یہ بھی کہا ہے کہ ہم اسے عوف، یزید فارسی اور ابن عباس کی سند کے علاوہ کسی اور سند سے نہیں جانتے، یزید فارسی کا شمار تابعین میں ہوتا ہے اور اس کا تعلق اہل بصرہ سے ہے۔

میں (احمد عبدالرحمٰن البنا) کہتا ہوں چونکہ یزید فارسی اس حدیث کے بیان کرنے میں منفرد ہیں لہذا ترتیب قرآن کے باب میں جو خاص طور پر تواتر پر مبنی ہے اس منفرد روایت سے استدلال نہیں

کیا جا سکتا۔

خطیب (بغدادی) نے "کتاب الکفایه" میں کہا کہ ہر وہ خبر واحد نا قابل قبول ہے جو حکم عقلی، قرآن کے کسی ثابت شدہ یقینی فیصلے، سنت متعارفہ، سنت کے قائم مقام ہونے والے کسی کام اور کسی دلیل قطعی کے منافی ہو۔

ائمہ حدیث نے ایسے بکثرت راویوں کو ضعیف قرار دیا ہے جنہوں نے مشہور روایات کے خلاف کوئی منفرد حدیث بیان کی ہو۔ واللہ اعلم ۳؎

۲) علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں:

"...........فمثل هذ الرجل لایصح ان تکون روایته التی انفرد بها مما یؤخذ به ترتیب القرآن المتواتر" ۴؎

اس (یزید فارسی) جیسے آدمی کی روایت کو جس میں وہ منفرد ہے، قرآن متواتر کی ترتیب کے باب میں قبول کرنا صحیح نہیں ہے۔

۳) علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

ان حدیث ابن عباس هذا غیر صحیح لان الترمذی قال فی تخریجه :"انه حسن غریب لایعرف الا من طریق یزید الفارسی عن ابن عباس، ویزید هذا مجهول الحال فلا یصح الاعتماد علی حدیثه الذی انفرد به فی ترتیب القرآن ۵؎

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ امام ترمذی نے اسکی تخریج میں کہا ہے کہ یہ "حسن غریب" ہے یزید فارسی کی سند کے علاوہ کسی اور سند سے اس کا علم نہیں ہو سکا، اور یزید مجہول الحال ہے جس کی منفرد حدیث ترتیب قرآن کے باب

میں پر اعتماد کرنا درست نہیں۔

لیکن علامہ زرقانی نے اس قول کی نسبت امام ترمذیؒ کی طرف کی ہے کہ وہ اس روایت کو ''حسن غریب'' کہتے ہیں حالانکہ ترمذی کے مطبوعہ نسخوں میں ''حسن صحیح'' درج ہے ممکن ہے علامہ موصوف نے یہ بات یزید فارسی کے انفراد کی وجہ سے کہی ہو ٦ے

(۴) ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں:

"یدور اسناده فی کل روایاته علی یزید الفارسی الذی رواه عن ابن عباس ، ویزید الفارسی هذا یذکره البخاری فی الضعفاء ، فلا یقبل منه مثل هذا الحدیث ینفرد به ، وفیه تشکیک فی معرفة سور القرآن الثابتة بالتواتر القطعی قرأة وسماعا وکتابة فی المصاحف وفیه تشکیک فی اثبات البسملة فی اوائل السور ، کانّ عثمان کان یثبتها برایه وینفیها برأیه ، وحاشاه من ذلک ،فلا علینا اذا قلنا : انه حدیث لااصل له. ٧٧ے

اس حدیث کی سند کا دارومدار یزید فارسی پر ہے جس نے اسے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے اس یزید کو امام بخاریؒ نے ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے لہذا اس سے ایسی حدیث قابل قبول نہیں ہے جس کے بیان کرنے میں وہ تنہا ہو (اور کسی دوسرے راوی نے اس کا ساتھ نہ دیا ہو) یہ حدیث قرآن حکیم کی سورتوں کے بارے میں شک پیدا کرتی ہے جن کا پڑھنا (قرأت) سننا (سماعت) اور مصاحف میں لکھا جانا (کتابت) تواتر قطعی سے ثابت ہے اور یہ حدیث سورتوں کے شروع میں ''بسم اللہ'' کے باب میں بھی شک میں ڈالتی ہے گویا حضرت عثمانؓ اسے بھی اپنی مرضی سے لکھتے اور مٹاتے تھے، حاشا وکلاّ۔ پس کیا مضائقہ ہے کہ اس کے بارے میں ہم یہ کہیں کہ یہ ایک بے بنیاد حدیث ہے۔

(۵) شیخ احمد محمد شاکر لکھتے ہیں:

''فی اسناده نظر كثير، بل هو عندى ضعيف جدا، بل هو حديث لااصل له، يدور اسناده فى كل رواياته على يزيد الفارسى الذى رواه عن ابن عباس، تفرد به عنه عوف ابن ابى جميلة الاعرابى وهو ثقة، فقد رواه ابو داؤد والترمذى وقال هذا حديث حسن لانعرفه الا من حديث عوف عن يزيد الفارسى عن ابن عباس .... ورواه الحاكم فى ''المستدرک'' وصححه على شرط الشيخين ووافقه الذهبى، ورواه البيهقى فى السنن كلهم من طريق عوف عن يزيد الفارسى ......ويزيد الفارسى هذا اختلف فيه ...... ويذكره البخارى فى الضعفاء فلا يقبل منه مثل هذا الحديث ينفرد به، وفيه تشكيک فى معرفة سور القرآن، الثابتة بالتواتر القطعى، قرأه وسماعا وكتابة فى المصاحف، وفيه تشكيک فى اثبات البسملة فى اوائل السور، كأنّ عثمان كان يثبتها برايه وينفيها برأيه، وحاشا من ذلک، فلا علينا اذا قلنا انه حديث لا اصل له تطبيقا للقواعد الصحيحة التى لاخلاف فيها بين ائمة الحديث ۸؎

ترجمہ: ''اس روایت کی سند کچھ زیادہ ہی محل نظر ہے میرے نزدیک یہ انتہائی ضعیف ہے بلکہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی کوئی بنیاد ہی نہیں اس روایت کی تمام سندوں کا دارومدار یزید فارسی ہے جس نے اسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے پھر اس سے روایت کرنے میں عوف بن ابی جمیلہ اعرابی منفرد ہیں اگر چہ ثقہ راوی ہے اس روایت کو ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کیا ہے۔

امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے ہم اسے عوف، یزید فارسی اور ابن

عباسؓ کی سند کے علاوہ کسی اور سند سے نہیں جانتے ، اسے حاکم نے اپنی کتاب ''مستــدرک '' میں روایت کیا ہے نیز اسے صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے علامہ ذھبیؒ نے بھی اس کی قرار دیا ہے علامہ ذھبیؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

امام بیہقی نے اس روایت کو اپنی کتاب ''السنن الکبری'' میں نقل کیا ہے ان سب محدثین نے اسے عوف، اور یزید فارسی کے واسطے سے بیان کیا ہے یزید فارسی کے بارے میں (علماء جرح وتعدیل) کا اختلاف ہے امام بخاریؒ نے اسے ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے اس کی ایسی روایت قابل قبول نہیں جس کے بیان کرنے میں وہ منفرد ہو یہ روایت قرآن کی سورتوں کے باب میں شک پیدا کرتی ہے جبکہ قرآن پڑھنے، سننے اور مصاحف میں لکھنے کے لحاظ سے تواتر قطعی سے ثابت ہے مزید برآں اس روایت سے سورتوں کے آغاز میں تسمیہ کا لکھا جانا بھی مشکوک ٹھہرتا ہے گویا کہ حضرت عثمانؓ اسے اپنی رائے سے لکھتے اور مٹاتے تھے حالانکہ ان کا دامن اس فعل سے پاک ہے پس کوئی مضائقہ نہیں اگر ہم یہ کہیں کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے تا کہ ان اصولوں اور قواعد کے درمیان تطبیق کی راہ کھولی جاسکے جو تمام آئمہ حدیث کے نزدیک مسلم ہے۔

اس کے بعد علامہ شاکر نے چند محدثین کے اقوال نقل کئے ہیں ان سب علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ قرآن، حدیث متواتر اور اجماع قطعی کے مخالف اور متضاد روایتیں کسی درجے میں بھی قابل قبول نہیں ہیں، ان اقوال کے بعد موصوف لکھتے ہیں:

'' فلا عبرة بعد هذا كله في هذا الموضوع بتحسين الترمذي ولا بصحيح الحاكم ولا بموافقة الذهبي ، وانما العبرة للحجة والدليل والحمد لله على التوفيق''.۹ے

''اس مقام پر اس وضاحت کے بعد ترمذیؒ کی تحسین حاکم کی تصحیح اور ذھبیؒ کی موافقت کا

کوئی اعتبار نہیں ہے معتبر صرف حجت اور دلیل ہے۔اس توفیق پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت پر صرف موجودہ زمانے کے علماء نے جرح نہیں کی بلکہ ماضی میں بھی متعدد علماء کرام اس پر اظہار خیال کر چکے ہیں۔ان میں سے چند علماء کرام کے اقوال ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:

(۶)امام فخرالدین رازیؒ اور خطیب شربینیؒ لکھتے ہیں:

''یہ کہنا (عقل سے) بعید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس امر کی وضاحت نہیں کی ہوگی کہ یہ سورت (توبہ) سورت انفال کے بعد آنے والی ہے کیونکہ قرآن ،اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے مرتب شدہ ہم تک پہنچا ہے اگر ہم بعض سورتوں کے بارے میں یہ جواز نکالیں کہ ان کی ترتیب من جانب اللہ وحی کی روشنی میں نہیں ہوئی تو یہی وجہ جواز ساری سورتوں اور ہر سورت کی تمام آیتوں کے بارے میں بھی نکل سکتی ہے اس طرح قرآن حجت نہیں رہے گا،حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی وحی کی روشنی میں اس سورت (توبہ) کو سورت انفال کے بعد رکھنے کا حکم دیا تھا اور (اس سورت کے شروع میں) ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کو بھی وحی کی روشنی میں حذف کر دیا تھا اور یہ کہنا کہ اس سورت کا مضمون سورت انفال کے بعد درج کیا گیا ہے اس وقت درست ہوتا جب ہم یہ قول اختیار کرتے کہ صحابہ کرام نے اسے اپنے اجتہاد سے اس مقام پر رکھا ہے''[۸۰]

اس بحث کے بعد علامہ شربینیؒ نے اس موضوع پر مختلف علماء کے چند اقوال نقل کیے ہیں پھر ساری بحث کا ماحصل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان اقوال میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ قرآن جس شکل میں ہم تک پہنچا ہے یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ترتیب دیا ہوا ہے۔[۸۱]

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

''رہی سورتوں کی ترتیب تو اس کے اجتہادی اور توفیقی ہونے میں اختلاف ہے جمہور علماء نے اس دوسرے قول (توفیقی) کو اختیار کیا ہے''

اس کے بعد علامہ آلوسیؒ نے اسی موضوع کی مناسبت سے علامہ ابوبکر انباریؒ اور علامہ کرمانیؒ کے اقوال نقل کئے ہیں ان اقوال کے بعد موصوف لکھتے ہیں:

''علامہ طیبیؒ نے بھی یہی کہا ہے کہ (سورتوں کی ترتیب توفیقی ہے) اور یہ قول ایک جمع غفیر سے مروی ہے تاہم اس مقام پر اس روایت سے دشواری ضرور پیدا ہوتی ہے جسے احمدؒ ترمذیؒ، ابوداوٗدؒ، نسائیؒ، ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے ابن عباسؓ سے بیان کیا ہے۔

اسکے بعد علامہ آلوسیؒ نے یہ روایت مکمل نقل کی ہے (جسے ہم گذشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں) اس روایت سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔

''یہ روایت بتاتی ہے کہ سورتوں کی ترتیب میں اجتہاد کو دخل حاصل ہو رہا ہے اس بناء پر (محدث) بیہقیؒ نے یہ راہ اپنائی ہے کہ سورۃ براۃ اور سورۃ انفال کے سوا باقی سب سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے امام سیوطیؒ کا شرح صدر بھی اسی (بیہقی کے) قول پر ہوا ہے کیونکہ وہ اس کا جواب نہیں دے

سکے، اور جس بات پر اس فقیر (آلوسی) کو شرح صدر ہوا ہے اور اسی قول پر ایک جمع غفیر کو بھی شرح صدر حاصل ہے یہ ہے کہ اس وقت جو قرآن دو گتوں کی جلد میں ہے اس قرآن کے عین مطابق ہے جو لوح محفوظ میں ثبت ہے ناممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قرآن (کی ترتیب) کے معاملے کو یونہی مہمل چھوڑ دیا ہو حالانکہ یہی (قرآن) تو آپ کی نبوت کی روشنی اور شریعت کی دلیل ہے پس ضروری تھا کہ آپ آیتوں اور سورتوں کے مقامات کی مکمل وضاحت فرماتے یا اشارہ (وکنایہ)

سے ان کی نشان دہی کرتے اور بالآخر اسی ترتیب (نبوی) پر صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہوتا......'' ۔

علامہ موصوف چند سطروں کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں:

''غرض اس (موجودہ) مصحف پر اجماع امت کے بعد اخبار احاد پر کان دھرنا مناسب نہیں ہے اور نہ آثار غریبہ کی طرف جھانکنا روا ہے''۸۲؎

علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر ''روح المعانی'' کے دیباچے (پہلی جلد) اور سورت انفال کی تفسیر (۹ویں جلد) میں یہ صراحت کی ہے کہ اس مسئلے پر انہیں (بلکہ ان کے اپنے الفاظ میں اس ''فقیر'' اور ''عبد حقیر'' کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرح صدر حاصل ہوا ہے کہ قرآن حکیم کی تمام سورتوں کو رسول اللہ ﷺ نے وحی کی روشنی میں ترتیب دے کر امت کے حوالے کیا تھا۔۸۳؎

(۸) علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

''جو شخص یہ کہے کہ آیتوں کی تقسیم اور سورتوں کی ترتیب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے نہیں بلکہ لوگوں کی قائم کردہ ہے تو اس جاہل نے جھوٹ بولا اور بے پر کی اڑائی، کیا اس نے یہ ارشاد خداوندی نہیں سنا کہ ہم جو آیت منسوخ کر دیں یا حافظے سے محو کرا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت لاتے ہیں؟ کیا اس کے کان تک رسول اللہ ﷺ کا آیۃ الکرسی اور آیۃ الکلالۃ کے بارے میں فرمان نہیں پہنچا؟ کیا اس نے یہ حدیث نہیں سنی کہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ فرماتے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں مقام پر رکھا جائے؟

اگر سورتوں کی ترتیب لوگوں کی قائم کردہ ہوتی تو اس کی تین صورتیں ممکن تھیں۔

(۱)......ایک یہ کہ انہیں نزول کے لحاظ سے مرتب کیا جاتا۔

(۲)......دوسرے یہ کہ شروع میں بڑی سورتیں ہوتیں اور آخر میں چھوٹی سورتیں۔

(۳)......تیسرے یہ کہ چھوٹی سورتوں سے آغاز اور بڑی سورتوں پر اختتام ہوتا۔

لیکن قرآن کی ترتیب ان تینوں صورتوں میں سے کسی پر نہیں ہے لہذا ایسی بات درست ہے کہ یہ ترتیب اللہ تعالیٰ کے حکم اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے عین مطابق ہے اس سے ہٹ کر کوئی رائے صحیح قرار نہیں دی جاسکتی''۔[۸۴]

حاصل بحث:

علماء کے اقوال سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ یزید فارسی ضعیف ہے۔

۲۔ اس روایت کے بیان کرنے میں وہ منفرد ہے۔

۳۔ کسی دوسری روایت (اور کسی سند) سے اس روایت کی تائید نہیں ملتی۔

۴۔ یہ منفرد روایت ترتیب قرآن کے خلاف ہے جو (ترتیب) تواتر سے ثابت ہے۔

۵۔ یہ منفرد روایت ان احادیث وروایات کے بھی خلاف ہے جن میں سورتوں کی ترتیب کو توفیقی بتایا گیا ہے یہ روایات نہ صرف صحیح ہیں بلکہ تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔

۶۔ قرآن، احادیث متواترہ اور صحیحہ کے خلاف پڑنے والی روایت کو محدثین قبول نہیں کرتے۔

۷۔ لہذا زیر بحث روایت بھی التفات کے قابل نہیں ہے۔

درایت:

اس سلسلے میں ''لا ریب فیہ'' کے مؤلف فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت درایۃً بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں یہ بیان کیا ہے کہ:

ا۔ ''سورت توبہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری حصے میں نازل ہوئی تھی پھر آپ وفات پا گئے اور یہ وضاحت نہ کر سکے کہ یہ کس سورت کا حصہ ہے یا مستقل سورت اور مستقل سورت ہونے کی صورت میں اس کا مقام کونسا ہے وغیرہ''

سورت توبہ ۹ھ میں نازل ہوئی تھی کیونکہ اسی سال کے حج میں اس سورت کے کچھ احکام لوگوں کو پڑھ کر سنائے گئے تھے اور سرکار رسالتمآب ﷺ کا وصال مبارک ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوا۔ سورت کے نزول اور وصال نبوی کے درمیان کم وبیش سوا سال کا عرصہ بنتا ہے اس مدت میں اس سورت کے مقام کا تعین آسانی سے کیا جا سکتا تھا (اور کیا گیا) اس عرصے میں اس سورت کی بارہا تلاوت کی گئی، ''عرضہ اخیرہ'' بھی اسی زمانے میں واقع ہوا تھا، جس میں آنحضور ﷺ نے دو مرتبہ حضرت جبریل امین کو قرآن سنایا اور دو مرتبہ ان سے سنا، گویا چار دفعہ یہ وضاحت کر دی گئی کہ اس سورت کی حیثیت کیا ہے اور اس کا مقام کونسا ہے اس تاریخی شہادت کے ہوتے ہوئے کیسے باور کر لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کو سورت توبہ کے مقام کی تعیین اور وضاحت کا موقع نہیں مل سکا۔ **فافھم وتدبر** !۸۵ ۔

ب۔ اس روایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

سورت توبہ کا مضمون سورت انفال کے مضمون سے ملتا جلتا ہے۔

اس مناسبت سے دونوں سورتوں کو مصحف میں اکٹھے لکھا گیا ہے۔

یہ وجہ بھی درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ قرآن حکیم میں متعدد سورتیں ایسی ہیں جن کے مضامین باہم دگر ملتے جلتے اور آپس میں متشابہ ہیں اگر سورتوں کی ترتیب قیاس اور اجتہاد پر مبنی ہوتی تو ان سورتوں کو بھی حضرت عثمانؓ اپنے

مصحف میں اکٹھے لکھواتے حالانکہ آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہیں ان مقامات پر لکھوایا ہے جن کی نشاندہی رسول اللہ ﷺ نے خود کردی تھی، لہذا ہمیں یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ سورت توبہ کو بھی سورت انفال کے بعد ''مصحف امام'' میں اس لئے درج کیا گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کا یہی مقام متعین فرمایا تھا۔

علامہ آلوسیؒ، علامہ نحاسؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''کانت الانفال وبراءۃ تدعیان فی زمن رسول اللہ ﷺ القرینتین''[۸۶]

ترجمہ: سورت انفال اور سورت براۃ کو رسول اللہ ﷺ کے دور میں ''قرینتین'' (باہم ملی ہوئی) کہا جاتا تھا۔

اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ سورت توبہ کے مقام کا سورت انفال کے بعد ہونا دور نبوت میں مشہور ومعروف تھا اور یہ ترتیب خود رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ اور انہیں کی توقیف پر مبنی تھی صحابہ کرام اس تعین کو بخوبی جانتے تھے حضرت عثمانؓ نے بھی اسی توقیف کی روشنی میں سورت توبہ کو سورت انفال کے بعد لکھوایا تھا اس کے برعکس یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے دونوں سورتوں کو مضمون کے اشتراک کی بناء پر اکٹھے لکھوایا، اور ان کے پاس اس باب میں کوئی نص قطعی یا کوئی فرمان نبوی موجود نہیں تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن حکیم کے اجزاء لکھواتے بھی تھے اور لوگوں کو یاد بھی کرادیتے تھے، جونہی کوئی سورت یا آیت نازل ہوتی تو آپ اس کا مقام بھی بتاتے تھے اور ترتیب بھی، اس طرح قرآن نہ صرف جمع ہوتا رہا بلکہ ترتیب بھی پاتا رہا، جب آخری آیت نازل ہوئی تو پورا قرآن مرتب ہو چکا تھا اور لوگوں کو بھی اپنی اصلی ترتیب کے مطابق حفظ ہوگیا تھا صحابہ کرام بخوبی

جانتے تھے کہ کونسی سورت مقدم ہے اور کونسی سورت مؤخر، خصوصاً سورت انفال اور توبہ کی ترتیب اتنی نمایاں اور واضح تھی کہ انہیں دور نبوت ہی میں ''قرینتین'' (دو ملی ہوئی اور متصل سورتیں) کہا جاتا تھا، پنجگانہ نمازوں، نوافل اور تراویح میں قرآن اسی ترتیب کے مطابق پڑھا جاتا تھا جو آنحضرت ﷺ نے قائم کردی تھی، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب ''مصحف ام'' لکھوایا تو اس میں دور نبوت کا مختلف اشیاء پر لکھا ہوا قرآن ہی ثبت کیا گیا اور جب حضرت عثمانؓ نے ''مصحف امام'' لکھوایا تو انہوں نے اختلاف قراءت کو مٹاتے ہوئے صرف لغت قریش کے مطابق کتابت کرائی ان دونوں جلیل القدر خلفاء نے سورتوں کی ترتیب کی طرف التفات نہیں کیونکہ یہ ترتیب دور نبوت ہی میں مکمل ہوچکی تھی صحابہ کرام اس ترتیب نبوی اور ترتیب توفیقی میں تغیر وتبدل کے مجاز نہیں تھے ان حقائق کی روشنی میں اس موقف کا جائزہ لیجئے کہ سورت انفال اور سورت توبہ کو حضرت عثمانؓ نے اپنے اجتہاد سے مرتب کیا تھا، پھر فیصلہ کیجئے کہ اس نظریئے میں کتنا وزن ہے۔

حرف آخر:

ہندو پاک کے متعدد اہل علم نے سورتوں کی ترتیب کے باب میں دوسرے قول کو اختیار کیا ہے لیکن حضرت شیخ نے تیسرے قول کو ترجیح دی ہے اور اسے جمہور علماء کا قول قرار دیا ہے انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے پیدا ہونے والے شبہ کا بھی جواب دیا ہے موصوف لکھتے ہیں:

> ''حضرت عثمانؓ نے جو ابن عباسؓ کے سوال کا جواب دیا اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب توفیقی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سورت کو جس جگہ لکھنے کا حکم دیا اسی جگہ لکھ دی گئی اور اسی طرح سورہ انفال اور سورہ توبہ کی ترتیب بھی توفیقی ہے جو صحابہ کے اتفاق سے لکھی گئی اور کسی ایک صحابی نے سورہ انفال اور سورہ توبہ کی ترتیب میں اختلاف نہیں کیا خود حضرت عثمانؓ سے یہ روایت پہلے گذر چکی ہے کہ یہ دونوں سورتیں (سورہ انفال اور سورہ توبہ) آنحضرت ﷺ کے زمانہ

مبارک میں ''قرینتین'' کے نام سے پکاری جاتی تھیں، جواس امر کی صاف دلیل ہے کہ ان دونوں سورتوں کا اقتران اور اتصال عہد نبوت میں معروف ومشہور اور زبان زدخلائق تھا مگر چونکہ عام قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جدا کرنے کے لئے ''بسم اللہ'' نازل ہوتی، ''بسم اللہ'' کا نازل ہونا ہی سورت کا نشان تھا۔

جب سورت برأت کے شروع میں ''بسم اللہ'' نازل نہ ہوئی تو عثمان غنیؓ کو یہ تردد ہوا کہ یہ مستقل سورت ہے یا پہلی سورت کا جزء، اوراس کا تتمہ، سوحضرت عثمانؓ کا یہ تردداور یہ گمان مسئلہ ترتیب سے تعلق نہ رکھتا تھا، بلکہ مسئلہ جزئیت کے متعلق تھا کہ سورۃ توبہ گزشتہ سورت کا جزء ہے یانہیں، انہیں سورہ انفال اور سورہ توبہ کی باہمی ترتیب میں ذرہ برابر شبہ نہ تھا، لہذا سورہ توبہ کوسورہ انفال کے بعدرکھنا توقیفی بھی تھا اوراجماعی بھی، جوتمام صحابہ کے اجماع اور اتفاق سے بلاکسی خلاف عمل میں آیا، اور علی ھذا درمیان میں بسم اللہ نہ رکھنا بھی امرتوقیفی اوراجماعی تھا، جس کی اصل علت یہ تھی کہ جبریل امین اس سورت کے شروع میں بسم اللہ لے کر نازل نہیں ہوئے تھے اس لئے صحابہ کرام نے اس سورت کو بسم اللہ کے بغیر لکھا اوراپنی طرف سے کوئی زیادتی (اضافہ) نہیں کی یہ ناممکن ہے کہ نبی اکرم ﷺ تمام سورتوں کی ترتیب تو بتلا دیں مگر سورہ انفال اور سورہ توبہ کی ترتیب نہ بتلائیں۔ سب کومعلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر رمضان میں جبریل امین کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے جس میں سورہ انفال اورسورہ توبہ کا دور بھی شامل تھا اوردور کیلئے ترتیب لازم ہے، معلوم ہوا کہ ان دوسورتوں کی ترتیب توقیفی ہے، عہد رسالت میں ان دو سورتوں کا ''قرینتین'' کے نام سے مشہور ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ان دوسورتوں کا باہمی اتصال اوراقتران سب حضور پرنور کے حکم سے تھا اورتمام صحابہ کرام میں

معروف اورمشہور تھا اسی لئے ترتیب قرآن کے وقت صحابہ کرام کو نہ کوئی تردد پیش آیا اور نہ ہی ان میں کوئی اختلاف ہوا۔'' ۸۷

حضرت شیخ کی مذکورہ بالا تحریر سورتوں کی ترتیب کے سلسلے میں حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

علوم القرآن پر کام کرنے والے محققین اور دوسرا قول اختیار کرنے والے علماء اس تیسرے قول پر غور وفکر کرتے یا کم از کم حضرت شیخ ہی کی تحریر پر ایک نظر ڈالتے تو انہیں راہ صواب میسر آتی اور وہ شکوک وشبہات کے خارزار سے بچ نکلتے۔

صدیقی دور

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ پورا قرآن پاک سرکار دو عالم ﷺ نے خود اپنی نگرانی میں لکھوالیا تھا اور اپنے گھر میں محفوظ بھی فرمالیا تھا مگر اس کی آیتیں اور سورتیں یکجا نہ تھیں سب سے پہلی شخصیت جس نے رسول اللہ ﷺ کی ترتیب کے مطابق اس کو مختلف صحیفوں میں جمع کیا وہ حضرت سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے،

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تدوین قرآن کی ابتداء جنگ یمامہ کے بعد ۱۲ھ میں فرمائی اس جنگ میں ستر حفاظ صحابہ شہید ہوئے حضرت فاروق اعظمؓ حفاظت قرآن کے بارے میں فکرمند ہوئے اور حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر قرآن کے جمع کا مطالبہ کیا چنانچہ بخاری شریف میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے اس واقعہ کو یوں نقل کیا ہے:

ان زید بن ثابت رضی اللّٰه عنه قال ارسل الیّ ابوبکر الصدیق رضی اللّٰه عنه فقتل اهل الیمامة فاذا عمر بن الخطاب عنده قال ابوبکر رضی اللّٰه عنه ان عمر اتانی فقال ان القتل استحر یوم الیمامه بقراء القرآن انی اخشی ان یستحرا لقتل بالقراء بالمواطن فیذهب

كثيـر مـن الـقـرآن وانی اری ان تامر بجمع القرآن قلت لعمر كيف تـفـعـل شيئا لم يفعله رسول الله ﷺ قـال عـمر هذا والله خير فلم يزل عـمـر يـراجـعـنـی حتی شرح الله صدری لذلک ورأيت فی ذلک الـذی رأی عمر وقال زيد قال ابوبكر انک رجل شاب عاقل لانتهـمک وقـد كنت تكتب الوحی لرسول الله ﷺ فتتبع القرآن فـاجـمعه قال فوالله لو كلفونی نقل جبل من الجبال ماكان اثقل علیّ مـمـا امـرنـی بـه مـن جـمـع القرآن قلت كيف تفعلون شيئا لم يفعله رسول الله ﷺ قـال هـو والـله خير فلم يزل ابوبكر يراجعنی حتی شـرح صـدری لـلـذی شرح له صدر ابی بكر وعمر رضی الله عنهما فتتبّـعـت الـقـرآن اجمعه من العسب واللحاف وصدور الرجال حتی وجدت اخر سورة التوبة مع ابی حزيمة الانصاری لم اجدها مع احد غيـره لقد جاء كم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حتی خاتمه بـرآءة فـكـانـت الصحف عند ابی بكر حتی توفاه الله ثم عند عمر حياته ثم عند حفصه بنت عمر رضی الله عنهما ۸۸؎

صحیح بخاری میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے مجھے بلا بھیجا حضرت فاروقؓ بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت صدیق نے فرمایا جناب فاروقؓ میرے یہاں آئے اور کہا ''جنگ یمامہ میں کثیر حفاظ قرآن نے شہادت پائی ہے اگر حفاظ قرآن کی شہادت کا یہی عالم رہا تو قرآن کا کافی حصہ ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے اس لئے قرآن کو یکجا کر لینا چاہئے'' میں نے عمرؓ سے کہا ''ہم وہ کام کیسے کر سکتے ہیں جو رسول اللہؐ نے نہیں کیا؟ عمر نے کہا ''بخدا یہ بہتر کام ہے'' عمرؓ مجھ سے بار بار مطالبہ کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے

اس ضمن میں مجھے شرح صدر سے نوازا آپ ایک دانشمند نوجوان ہیں ہمیں آپ پر کوئی بدگمانی نہیں آپ عہدِ رسالت میں کاتب وحی رہ چکے ہیں اسلیئے قرآن کو ہوش کر کے جمع کیجئے، حضرت زیدؓ کا بیان ہے کہ ''بخدا اگر جناب صدیق مجھے کسی پہاڑ کو اس کی جگہ سے نقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ میرے لئے اس ذمہ داری کی نسبت آسان تر ہوتا میں نے کہا آخر آپ ایسا کام کیونکر کریں گے جو آنحضور ﷺ نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا بخدا یہ بہتر ہے پھر حضرت ابوبکرؓ مجھ سے بتاکید یہی بات کہتے رہے حتیٰ کہ ابوبکر وعمر کی طرح مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں شرح صدر عطا کیا میں نے قرآن کو پتھر کی باریک سلوں، کھجوروں کی ٹہنیوں اور آدمیوں کے سینوں سے تلاش کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ مجھے ابوخزیمہ انصاری کے پاس ملا، کسی کسی اور سے نہ مل سکا۔ وہ آیت یہ تھی: '' ﴿لقد جآء کم رسول من انفسکم﴾ سورہ توبہ کے آخر تک، میرے تحریر کردہ صحیفے حضرت ابوبکرؓ کی وفات تک ان کے پاس رہے، پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہے، ان کی شہادت کے بعد یہ صحیفے حضرت حفصہؓ کی تحویل میں آ گئے۔

ممکن ہے کہ مذکورہ واقعہ پڑھ کر قاری اس اشکال میں مبتلا ہو کہ حضرت زید کو یہ آیت دیگر صحابہ کرام کے پاس کیوں نہ ملی؟ مگر یہ اشکال جلد ہی زائل ہو جائے گا جب قاری کو معلوم ہوگا کہ حضرت زید کا مقصد یہ بتانا تھا کہ وہ آیت کسی اور صحابی کے پاس لکھی ہوئی نہ تھی۔ ۸۹؎

(امام سیوطی، ابوشامہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

''کسی اور کے پاس نہ پانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس یہ آیت تحریری صورت میں نہیں تھی۔

جب ابوخزیمہ انصاری کے پاس وہ آیت تحریر شدہ صورت میں مل گئی تو حضرت زید نے اسے

قبول کرلیا، اس لئے کہ بہت سے صحابہ بلکہ خود حضرت زید کو بھی یہ آیت زبانی یاد تھی، مگر وہ ورع وتقوی کی وجہ سے یہ چاہتے تھے کہ یہ آیت تحریری صورت میں بھی مل جائے تاکہ حفظ وکتابت کے مل جانے سے اس میں مزید پختگی اور استحکام پیدا ہو جائے حضرت ابوبکر کے حکم سے جو قرآن حضرت زید نے جمع کیا تھا وہ اس میں اسی راہ پر گامزن رہے، ہر آیت یا چند آیات کو قبول کرنے کے لئے دو گواہوں کی ضرورت تھی اور وہ تھے۔

حفظ اور کتابت۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمر فاروقؓ اور زید بن ثابت سے کہا تھا کہ مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جایئے اور جو شخص کتاب اللہ کے کسی حصے پر دو گواہ پیش کرے تو وہ حصہ لکھ لیا کرو۔ ۹۰

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ دو گواہوں سے حفظ اور کتابت مراد ہیں۔

یہ حدیث منقطع ہے اس کو ابن ابی داؤد نے بطریق ہشام بن عروہ از والد خود روایت کیا ہے، مگر اس کے سب راوی ثقہ ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی کی مذکورہ صدر توجیہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایک گواہ حفظ کے لئے اور ایک کتابت کے ضمن میں کافی ہے۔

لیکن جمہور علماء کے نزدیک دو عادل گواہ حفظ کے لئے اور دو کتابت کے لئے یعنی کل چار گواہ ضروری ہیں۔

جمہور علماء اس کی دلیل میں ابن داؤد کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو انہوں نے بطریق یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ تشریف لائے اور فرمایا کہ جس نے قرآن کا کچھ حصہ آنحضور سے سن کر یاد کیا ہو وہ پیش کرے، لوگ ان دنوں قرآن کریم کی آیات کو صحیفوں، تختیوں اور کھجور کی چوڑی ٹہنیوں پر لکھا کرتے تھے جب تک دو گواہ شہادت نہ دیتے تب تک آپ کسی کی پیش کردہ آیات کو قبول نہیں کیا کرتے تھے۔ ۹۱

سخاوی اپنی کتاب ''جمال القراء'' میں رقم طراز ہیں:

''مقصد یہ ہے کہ دو گواہ اس بات کی شہادت دیں کہ یہ آیات آنحضورؐ کے سامنے تحریر کی گئی تھیں''۔۹۲

سورہ توبہ کی آخری آیات کو اس قاعدہ سے اس لئے مستثنیٰ کیا گیا تھا کہ اکثر صحابہ کو یہ آیات زبانی یاد تھیں، اس لئے ان کی نقل وروایت تواتر کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی، تو گویا یہ متواتر نقل وروایت دو گواہوں کے قائم مقام تھی کہ سورہ توبہ کا یہ آخری حصہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تحریر کیا گیا ہے۔

باقی رہا زید بن ثابت کا یہ قول کہ ''میں نے ان آیات کو صرف ابوخزیمہ کے پاس آیا'' تو اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ خبر واحد کے ساتھ قرآن کا اثبات کیا گیا ہے اس لئے کہ حضرت زید نے بذات خود یہ آیات آنحضور ﷺ سے سنی تھیں اور ان کو معلوم تھا کہ یہ آیات کہاں اور کس سورت سے متعلق ہیں اس ضمن میں صحابہ کی تلاش وتائید وتقویت کے لئے تھی اس لئے نہیں کہ قبل ازیں ان آیات سے آگاہ ہیں اس ضمن میں صحابہ کی تلاش وتائید وتقویت کے لئے تھی اس لئے نہیں کہ قبل ازیں ان آیات سے آگاہ نہ تھے۔۹۳

حضرت ابوبکرؓ کے اہتمام سے جمع وتدوین قرآن کا کام ایک سال کی مدت میں تکمیل پذیر ہوا اسلئے کہ آپ نے حضرت زید کو اس خدمت پر جنگ یمامہ کے بعد مامور فرمایا تھا جنگ یمامہ اور حضرت صدیق کی وفات کے درمیان صرف ایک سال کی مدت تھی جب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کو کس طرح کاغذ کے ٹکڑوں، کھجور کی ٹہنیوں، پتھر کی سلوں، چمڑے کے ٹکڑوں اور کجاوہ کی لکڑیوں سے فراہم کیا گیا تھا تو ہمیں صحابہ کے بلند پایہ عزم اور عالی ہمتی کی داد دینی پڑتی ہے ہم یہ دیکھ کر حضرت علیؓ کا مقولہ دہرانے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے، وہ اولین شخص تھے جس نے قرآن کو کتابی صورت میں جمع کیا۔۹۴

جہاں تک حضرت فاروق اعظمؓ کا تعلق ہے وہ تدوین قرآن کے نظریہ کے موجد تھے اس میں شبہ نہیں کہ اس نظریہ کی عملی تکمیل کی سعادت حضرت زید بن ثابتؓ کے لئے مقدر تھی۔

امام بخاریؒ نے جو روایت حضرت زید نے نقل کی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ جن صحیفوں میں قرآن جمع کیا گیا تھا وہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہے، جب آپ نے وفات پائی تو خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ ان کی حفاظت کرتے رہے، آپ کی شہادت کے بعد یہ صحیفے خلیفۂ ثالث حضرت عثمان کے پاس نہیں بلکہ ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمرؓ کی تحویل میں رہے یہاں انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ آیا یہ امر زیادہ موزوں نہ تھا کہ ان صحیفوں کو حضرت عثمان کی حفاظت میں دیا جاتا۔ ۹۵

اس سوال کے جواب میں عرض یہ ہے کہ ان صحیفوں کا حضرت حفصہؓ کے زیر حفاظت رہنا زیادہ مناسب تھا، کیونکہ حضرت عمرؓ نے وصیت کی تھی کہ ان صحیفوں کو حضرت حفصہ کی تحویل میں رکھا جائے اس لئے کہ محترمہ موصوفہ ام المومنین ہونے کے علاوہ حافظ قرآن بھی تھیں پورا قرآن آپ کے سینہ میں محفوظ تھا اور آپ اس کی قراءت وکتابت میں پوری مہارت رکھتی تھیں علاوہ ازیں حضرت عمرؓ نے اپنے جانشین کا معاملہ شوریٰ کے سپرد کر دیا تھا ظاہر ہے کہ خلیفہ بنائے جانے سے قبل یہ امانت حضرت عثمان کو کیسے تفویض کی جا سکتی تھی؟۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کو ''مصحف'' کا نام سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں دیا گیا تھا ابن اشتہ نے اپنی کتاب ''المصاحف'' میں بطریق موسیٰ بن عقبہ از ابن شہاب روایت کیا ہے کہ جب قرآن کو جمع کر کے اوراق پر لکھا گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ''اس کا کوئی نام مقرر کیجئے''، بعض نے ''السفر'' پیغامات تجویز کیا۔ آپ نے فرمایا یہ یہود کا تجویز کردہ نام ہے بعض لوگوں نے ''المصحف'' نام رکھنے کی تجویز پیش کی ہے یہ نام حبشہ میں رائج تھا اسی پر اتفاق ہو گیا اور قرآن کریم کو ''المصحف'' کہا جانے لگا۔ ۹۶

حضرت ابوبکرؓ کے جمع کردہ قرآن پر پوری امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور اس کو متواتر

کا درجہ حاصل ہے اکثر علماء کا خیال ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کریم کو قراءت سبعہ کے مطابق مدون کیا عہد خلافت میں دیا گیا تھا ابن اشتہ نے اپنی کتاب ''المصاحف'' میں بطریق موسیٰ بن عقبہ از ابن شہاب روایت کیا ہے کہ جب قرآن کو جمع کر کے اوراق پر لکھا گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا'' اس کا کوئی نام مقرر کیجئے'' بعض نے ''السفر'' پیغامات تجویز کیا۔ آپ نے فرمایا یہ یہود کا تجویز کردہ نام ہے بعض لوگوں نے ''المصحف'' نام رکھنے کی تجویز پیش کی ہے یہ نام حبشہ میں رائج تھا اسی پر اتفاق ہو گیا اور قرآن کریم کو ''المصحف'' کہا جانے لگا۔ ۹۶

حضرت ابوبکرؓ کے جمع کردہ قرآن پر پوری امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور اس کو متواتر کا درجہ حاصل ہے اکثر علماء کا خیال ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کریم کو قراءت سبعہ کے مطابق مدون کیا جس طرح وہ آنحضور ﷺ پر نازل ہوا تھا اس اعتبار سے حضرت صدیقؓ کے جمع کردہ قرآن اور عہد رسالت میں مرتب قرآن کے درمیان کامل یک رنگی وہم آہنگی پائی جاتی ہے اور دونوں میں سرے سے کوئی فرق ہی نہیں ہے۔

علامہ حارث محاسبیؒ لکھتے ہیں:

> ''قرآن حکیم کی کتابت کوئی نئی بات (بدعت) نہیں ہے رسول اللہ ﷺ خود قرآن لکھنے کا حکم دیتے تھے لیکن ان کے دور کا لکھا ہوا قرآن ٹکڑوں، اونٹ کے شانہ کی ہڈیوں اور کھجور کی شاخوں پر متفرق طور پر لکھا ہوا تھا، حضرت صدیقؓ نے اتنا کام کیا کہ اسے ایک مقام سے نقل کر کے دوسرے مقام پر اکٹھا لکھنے کا حکم دیا یہ ایسا ہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں قرآن کے کچھ اوراق منتشر پائے گئے پھر کسی نے ان سب کو جمع کر لیا شیرازہ بندی کی اور دھاگے سے سی دیا تاکہ اس سے کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے'' ۔۹۷

عبد خیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قرآن حکیم کی اس عظیم خدمت پر حضرت ابوبکرؓ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''رحمة اللّٰه علی ابی بکر کان اعظم الناس اجرا فی جمع المصاحف وھو اول من جمع بین اللوحین ''۹۸ؔ

ترجمہ: ''اللہ کی رحمت ہو ابوبکر پر انہوں نے قرآن کی تدوین پر سب لوگوں سے زیادہ اجر پایا، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن کو دو تختیوں کے درمیان یکجا کر دیا ہے''۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس خدمت قرآنی کو اپنوں کے علاوہ غیروں نے بھی سراہا ہے مشہور مستشرق ولیم میور(William Muir) لکھتے ہیں:

''کوئی جزء کوئی فقرہ اور کوئی لفظ ایسا نہیں سنا گیا جس کو جمع کرنے والوں نے چھوڑ دیا ہو نہ کوئی لفظ یا فقرہ ایسا پایا جاتا ہے جو اس مسلم مجموعہ میں داخل کر دیا گیا ہو اگر ایسے الفاظ یا فقرے ہوتے تو ضروری تھا کہ ان کا تذکرہ ان احادیث میں ہوتا جن میں (حضرت) محمد (ﷺ) کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی افعال اور اقوال کی نسبت محفوظ رکھی گئی ہیں''۔۹۹ؔ

عہد نبوی میں قرآن کو مجموعہ کتابی صورت میں مدون نہ کرنے کے اسباب:

قرآن کو مجموعہ کتابی صورت میں مدون کرنے کی سعادت جہاں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی اس کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں قرآن کو یکجا جمع کرنا درج ذیل اسباب کی وجہ سے مشکل تھا۔

۱۔ عہد نبوی میں وہ اسباب پیدا نہیں ہوئے تھے جو عہد صدیقؓ میں پیدا ہوئے اور جس کی وجہ سے کتابی شکل میں قرآن کا قلمبند کیا جانا ٹھہرا۔

۲۔ عہد نبوی میں تحریر کی وہ سہولتیں فراہم نہیں تھیں جو عہد صدیقی میں فراہم ہوئیں مثلاً کاغذ و دیگر ادوات کتابت۔

۳۔ عہد نبوی میں نسخ تلاوت کا احتمال تھا، جس کی وجہ سے کتابی صورت میں تغیر کرنا پڑتا جو موزون نہ تھا۔

۴۔ قرآن کی ترتیب نزولی احوال وواقعات کے مطابق تھی اور آیات وسور کی ترتیب ربط مضامین کے اعتبار سے تھی اگر عہد نبوت میں قرآن کتابی صورت میں مرتب کیا جاتا، تو جدید نازل شدہ آیات کو ان کے مناسب آیات وسور کے ساتھ ملا دینے میں دشواری ہوتی۔(۱۰۰)

چنانچہ علامہ زرکشی لکھتے ہیں:

"وانما لم یکتب فی عهد النبی ﷺ مصحف لئلا یفضی الی تغییره فی کل وقت فلهذا تأخرت کتابته الی ان کمل نزول القرآن بموته ﷺ"۱۰۱

"عہد نبوت میں قرآن حکیم کو ایک مصحف میں اسلئے نہ لکھا گیا کہ اسے بار بار تبدیل نہ کرنا پڑے، لہذا اس کی کتابت کو اس وقت تک ملتوی کر دیا گیا جب تک آنحضرت ﷺ کی وفات سے اس کے نزول کی تکمیل نہ ہوگئی"۔

ان وجوہات کی بناء پر عہد نبوت میں قرآن کو کتابی صورت میں جمع نہیں کیا گیا، لیکن عہد صدیقی میں حالات بالکل بدل گئے، قراء کی شہادت نے قرآن کو کتابی صورت میں جمع کرنے کی ضرورت پیدا کی کاغذ اور ادوات کتابت کی سہولتیں مہیا ہوئیں حضور ﷺ کے وصال کے بعد وحی منقطع ہوئی اور قرآن کا نزول مکمل ہوا، لہذا قرآن کو کتابی صورت دینے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔

دستور جمع صدیقی:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن میں پوری احتیاط برتی اور ایسے انتظام

کئے کہ قرآن کے جمع کتابی میں کسی قسم کے سہواور فروگزاشت کا احتمال باقی نہیں ہے آپ نے جمع قرآن میں صرف محفوظ یا مکتوب یا مسموع ہونے پر اکتفانہیں کیا کہ ان آیات کوقلمبند کیا جائے جو کسی کو حفظ ہوں یا کسی چیز پر تحریر ہوئی ہوں یا حضور ﷺ سے سنی گئی ہوں بلکہ جمع قرآن میں دو قاعدوں پر عمل کیا گیا۔

۱۔ ان لکھی ہوئی آیات کو جمع کیا جائے گا جو رسول اللہ کریم ﷺ نے اپنے سامنے لکھوائی ہوں اور دو عادل گواہوں کے ذریعے اسی طرح لکھوانے کا ثبوت مہیا ہوجائے۔ چنانچہ عروہؒ سے روایت ہے:

''ان ابابکر قال لعمر وزید اقعدا علی باب المسجد فمن جاء کما بشاهدین علی شئی من کتاب الله فاکتباه .رجاله ثقات.[۱۰۲]

۲۔ دوم یہ کہ وہ آیات مکتوب ہونے کے علاوہ کثیر تعداد صحابہ کے سینوں میں محفوظ بھی ہوں۔[۱۰۳]

اسی طرح ابن داؤد نے کتاب المصاحف میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے:

''وما کانوا یکتبون فی الصحف والالواح والعسب قال وکان لایقبل من احدشیئاً حتی یشهد شاهدان ''.[۱۰۴]

یعنی صحابہ قرآن کو لکھتے تھے، صحیفوں، تختیوں اور شاخہائے خرما پر لیکن اس کو دو گواہوں کی گواہی کے بعد قبول کیا جاتا تھا۔

قرآن عہد فاروقی میں:

حضرت عمرؓ کے فضائل میں سے ایک عظیم فضیلت یہ ہے کہ قرآن کی جمع وتدوین کا خیال سب سے پہلے انہیں کے دل میں پیدا ہوا، انہوں نے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس کار خیر کے لئے

آمادہ کیا انہیں کی تحریک کے نتیجے میں قرآن کو کتابی شکل دی گئی اور جب انہوں نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو قرآن حکیم کی تعلیم وتدریس کی طرف توجہ دی مدارس قائم کئے ان میں معلم متعین کئے، ان کے وظائف اور تنخواہیں مقرر کیں، تعلیم وتدریس کے اصول وقواعد بنائے اور لوگوں کے لئے قرآن کی تعلیم کو لازمی قرار دیا۔

صحابہ کرام دور نبوت ہی سے قرآن حکیم کی سورتیں اور متعدد حصے انفرادی طور پر لکھنے لگے تھے، بعض لوگ اپنی یادداشت کے لئے آیات قرآنی کے ساتھ تفسیری اور تشریحی جملے بھی لکھتے تھے، حضرت عمرؓ نے اس قسم کی تحریریں طلب کر کے تلف کرادیں، تاکہ آئندہ آنے والے لوگوں کو متن قرآن کے باب میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ پیش نہ آئے آپ کے دور خلافت میں مصر، عراق، شام اور یمن میں ایک محتاط اندازے کے مطابق قرآن حکیم کے ایک لاکھ نسخے لوگوں کے پاس موجود تھے ۱۰۵۔

تصور کیجئے کہ حجاز مقدس اور دیگر اسلامی مفتوحہ علاقوں میں قرآن حکیم کے قلمی نسخے کس قدر ہوں گے یہ سب حضرت عمرؓ کے قرآن حکیم کے ساتھ لگاؤ کے ثمرات تھے جن میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں تراویح کی جماعت کا اہتمام کیا اس سے قبل لوگ انفرادی طور پر یہ نماز ادا کرتے تھے ایک دفعہ رات کے وقت آپ مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں کو تراویح ادا کرتے دیکھا تو سوچا کہ کیوں نہ ان سب (الگ الگ نماز پڑھنے والوں) کو باجماعت نماز پڑھائی جائے چنانچہ آپ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو آمادہ کیا کہ وہ لوگوں کو تراویح کی نماز پڑھائیں اور اس میں انہیں مکمل قرآن کریم سنائیں، چنانچہ آپ کا یہ اقدام قرآن حکیم کی خدمات کے سلسلے میں ایک عظیم خدمت شمار کیا جاتا ہے جس کی بدولت دنیا بھر کے مسلمانوں کو سال میں ایک مرتبہ مکمل قرآن حکیم سننے کا موقع ملتا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام حفاظت قرآن کا ایک اہم ترین سلسلہ

تھا۔۱۰۶

عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں تدوین قرآن:

زبان میں لب ولہجہ کا اختلاف ایک فطری چیز ہے، ایک ملک میں ایک ہی زبان بولنے والوں کے درمیان الفاظ ومحاورات کے بے شمار اختلافات پائے جاتے ہیں ہر زبان کا یہی حال ہے دوسری زبانوں کی طرح عربی زبان میں بھی متعدد اختلافات پائے جاتے تھے ایک ہی لفظ کو مختلف قبائل کے لوگ مختلف انداز سے بولتے اور لکھتے ہیں۔

چنانچہ سید مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں:

''عربی زبان جس میں قرآن مجید نازل ہوا تھا سارے عرب کی زبان تھی، لیکن عرب کے مختلف علاقوں کے باشندوں کی زبان میں بھی وہ سارے اختلافات پائے جاتے تھے جن سے کوئی زبان بچی ہوئی نہیں ہے، حجاز، یمن، نجد یا مختلف قبائل قریش، بنی تمیم، قحطانی، غیر قحطانی قبائل کے اندر اس قسم کے کافی لسانی اختلافات پائے جاتے تھے، اسی سے اندازہ کیجئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسی جلیل القدر ہستی جن کی ساری زندگی قریش میں بلکہ براہ راست رسول اللہ ﷺ کی صحبت مبارک میں گزری، آنحضرت ﷺ نے خود ان کو قرآن پڑھایا تھا، لیکن نسلاً واصلاً یہ ہذلی تھے اس لئے ''حتی'' کا تلفظ آخر عمر تک ''عتی'' کرتے رہے۔۱۰۷

لب ولہجہ کے ان اختلافات سے الفاظ کے مفہوم ومعانی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اس لئے شروع میں لوگوں کو قرآن حکیم اپنے اپنے قبیلے کی زبان میں پڑھنے کی اجازت تھی، لیکن بعد میں ان اختلافات نے بڑھ کر فتنہ کی شکل اختیار کر لی حتی کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں یہ اختلافات انتہاء کو پہنچ گئے اور انہیں مٹانے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی تو حضرت عثمانؓ نے جرأت مندانہ قدم اٹھایا انہوں نے ایک طرف تو مصاحف کو لغت قریش کے مطابق قلمبند کرایا اور دوسری

طرف دیگر تمام لغات میں لکھے ہوئے قرآنی نسخوں کو تلف کرادیا، نتیجۃً امت مختلف قرأتوں کو چھوڑ کر ایک قرأت پر متفق ہوگئی۔

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

''حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ایک معلم ایک قرأت کے مطابق پڑھاتا تھا تو دوسرا معلم کسی دوسری قرأت کے مطابق، پھر جب طلباء آپس میں ملتے تو ایک دوسرے سے مختلف قرأت بیان کرتے تھے، یہ اختلافات اساتذہ تک بھی پہنچتے تھے، (نوبت یہاں تک پہنچی کہ) لوگ اختلاف قرأت کی بناء پر ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ یہ خبر حضرت عثمانؓ کے کانوں تک جا پہنچی، آپ نے (لوگوں کو جمع کرکے) خطاب کیا اور فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس ہوتے ہوئے قرآن کی مختلف قرأت کرتے ہو تو جو لوگ مجھ سے دور دوسرے شہروں میں بستے ہیں وہ اس سے بھی زیادہ شدید اختلاف قرأت سے دوچار ہوں گے اے اصحاب محمد! جمع ہوجاؤ اور لوگوں کے لئے ایک امام (رہنما اور معیاری نسخہ قرآن) لکھو''۔ [۱۰۸]

حضرت عثمانؓ نے جس خدشے کا اظہار کیا وہ درست تھا، قرآن کی مختلف قرأتیں امت میں انتشار کا باعث بننے لگی تھی ہر شخص اپنے قبیلے اور اپنے علاقے کی قرأت کو صحیح اور دوسری قرأتوں کو غلط سمجھتا تھا حتی کہ معاملہ ایک دوسرے کی تکفیر تک جا پہنچا۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ ۲۵ھ میں جہاد آرمینیا اور آذر بائیجان سے لوٹے تو انہوں نے وہاں کے اختلاف قرأت اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والے فتنہ کی طرف حضرت عثمانؓ کی توجہ مبذول کرائی، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ:

''حضرت حذیفہ اہل عراق کے ساتھ مل کر آرمینیہ اور آذر بائیجان کے محاذ پر لڑے، وہاں انہوں نے عراقیوں کا قرآن سنا اور ان کی قرأت کے اختلافات دیکھ کر سخت گھبرائے، مدینہ لوٹے تو حضرت عثمانؓ سے کہنے لگے اے امیر المومنین! اس امت کی

خبر لو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ امت بھی کتاب اللہ میں اسی اختلاف کا شکار ہو جائے جس سے یہودی اور عیسائی دوچار ہو چکے ہیں چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ وہ اپنا مصحف ہمارے پاس بھیج دیں ہم اس کی نقول تیار کر کے (اصل نسخہ) واپس کر دیں گے حضرت حفصہؓ نے مصحف بھیج دیا حضرت عثمانؓ نے حضرات زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور عبدالرحمٰن بن حارثؓ کو حکم دیا اور انہوں نے اس کی نقلیں تیار کیں (زید بن ثابت کے علاوہ باقی تینوں حضرات قریشی تھے) حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا کہ اگر کسی لفظ کے بارے میں تمہارا اور زید کا اختلاف ہو جائے تو اسے قریش کے محاورے کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن انہیں کے محاورے کے مطابق نازل ہوا ہے بہر کیف انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی، جب یہ کام مکمل ہوا اور مصاحف لکھے جا چکے تو حضرت عثمانؓ نے ام المومنین کی طرف ان کا مصحف واپس بھیج دیا اور لکھے ہوئے مصاحف کا ایک ایک نسخہ ایک ایک ملک کی طرف بھیجا اور اس کے ساتھ یہ فرمان بھی جاری کیا کہ ان نسخوں کے علاوہ جہاں جہاں قرآن حکیم لکھا ہوا ملے اسے نذر آتش کر دیا جائے، حضرت زید کہتے ہیں کہ جب ہم مصاحف نقل کر رہے تھے تو میں نے سورہ احزاب کی ایک آیت نہ پائی جسے میں رسول اللہ ﷺ سے سن چکا تھا ہم نے اسے تلاش کیا تو ہمیں خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس یہ آیت لکھی ہوئی مل گئی جو یہ تھی "من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدو الله عليه" ہم نے اسے (سورہ احزاب میں) اپنے مقام پر درج کر دیا"[۱۰۹]

حضرت عثمانؓ کا بروقت اقدام:

حضرت عثمانؓ نے اختلاف قرأت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فتنہ کا بروقت تدارک کیا چار افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی صحابہ کرام کی ایک اچھی خاصی تعداد نے اس کمیٹی کے ساتھ بھرپور

تعاون کیا ''مصحف ام'' کو سامنے رکھ کر اس کی نقول لکھنے کا کام شروع کر دیا گیا۔

آنحضرت ﷺ کے عہد میں لکھے گئے قرآن حکیم کے اجزاء دوبارہ اکھٹے کئے گئے حفاظ اور قراء سے بھی مدد لی گئی، ہر آیت کو لکھتے وقت یہ دیکھا جاتا تھا کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں نے کس انداز سے لکھا تھا حفاظ اس کی تصدیق کرتے اور قاری اس کے رسم الخط کی نشاندہی کرتے تھے، اس طرح مکمل تصدیق کے بعد اس آیت کو لکھا جاتا تھا مزید برآں اگر کبھی لکھنے والوں کے درمیان کسی لفظ کے بارے میں اختلاف رونما ہوتا تو اسے اہل زبان (قریش) کی لغت اور محاورے کی روشنی میں رفع کیا جاتا تھا مثلاً ''تابوت'' کے بارے میں اختلاف ہوا، حضرت زیدؓ نے اسے ''تابوہ'' لکھنا چاہتے تھے متعدد صحابہ کرام سے اس کی تحقیق کی گئی بالآخر حضرت عثمانؓ نے فیصلہ کیا کہ اسے ''تابوت'' لکھا جائے کیونکہ قریش اسے اسی طرح بولتے ہیں۔[110]

چنانچہ اس لفظ کو ایسے ہی لکھا گیا اگر کبھی کسی آیت کی قرأت کے بارے میں اختلاف ہوا تو صحابہ کرام رہنمائی کرتے تھے کہ یہ آیت فلاں شخص کو رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی تھی پھر اس شخص کو بلایا جاتا اور اس سے پوچھا جاتا کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کس طرح پڑھائی تھی؟ وہ پڑھ کے سناتا تو اس کے مطابق اس آیت کو درج مصحف کیا جاتا تھا اگر وہ شخص مدینہ منورہ سے دور ہوتا او ربروقت نہ پہنچ سکتا تو اس کے آنے تک مصحف میں اس آیت کی جگہ خالی چھوڑ دی جاتی تھی۔[111]

غرض جمع وتدوین قرآن کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ نے ہر ممکن احتیاط برتی ''مصحف ام'' کی ہو بہو نقل تیار کرائی حتی کہ دونوں میں بال برابر فرق بھی رونما نہ ہوا۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

''حتی صرحوا بان عثمان لم یصنع شیئا فیما جمعه ابوبکر من زیادة أو نقص او تغییر ترتیب سوی انه جمع الناس علی القرأة بلغة قریش محتجابان القرآن نزل بلغتهم''.[112]

محققین نے تصریح کی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے جمع شدہ (مصحف) میں نہ کوئی اضافہ کیا، نہ کمی کی اور نہ اس کی ترتیب بدلی، انہوں نے کیا تو صرف یہ کام کیا کہ لوگوں کو قریش کی زبان (محاورے) کے مطابق قرأت (پڑھنے) پر جمع کر دیا ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن انہیں کے زبان کے مطابق نازل ہوا ہے۔

کہنے والے (بلا سوچے سمجھے) کہہ دیتے ہیں کہ اختلاف قرأت تو آج تک موجود ہے، حضرت عثمانؓ نے کون سے اختلاف قرأت کو مٹایا تھا؟ انہیں نہیں معلوم کہ موجودہ اختلاف قرأت رسول اللہ ﷺ سے متواتر سندوں کے ساتھ منقول ہے ایک ہی لفظ کو مختلف قاری مختلف طرز سے پڑھتے ہیں جس سے معنی ومفہوم متاثر نہیں ہوتا اور نہ کسی فتنے کا احتمال پیدا ہوتا ہے اس پر ہماری چودہ سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ قرأت کے ان اختلافات پر قاریوں کے درمیان کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا، حضرت عثمانؓ نے قرأت کے فقط ان اختلافات کو مٹایا تھا جو مختلف قبائل اور مختلف علاقوں (شہروں او رملکوں) کی لغات (زبان) کے اختلاف سے پیدا ہو گئے تھے جن کی بناء پر فتنہ وفساد کے آثار نمایاں ہو رہے تھے حضرت عثمانؓ نے ان فتنوں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔

ان مصاحف کی تیاری پر پانچ سال کا عرصہ صرف ہوا یعنی ۲۵ھ سے ۳۰ھ تک مسلسل یہ کام ہوتا رہا۔۱۱۳

اس عرصہ میں سات مصاحف لکھے گئے ایک مصحف حضرت عثمانؓ نے مدینہ منورہ میں اپنے لئے رکھا اور باقی چھ حسب ذیل صوبوں کی طرف بھجوا دیئے:

۱:شام ۲:مصر ۳:بصرہ ۴:کوفہ ۵:مکہ مکرمہ ۶:یمن ۱۱۴

ان مصاحف میں سے ہر نسخے کو "مصحف امام" کہا جاتا ہے۔

حضرت عثمانؓ نے صوبوں کے عمال کی طرف یہ فرمان بھی جاری کیا کہ وہ اور عوام ان مستند نسخوں کے مطابق اپنے لئے مصاحف تیار کریں اور ان سے ہٹ کر اگر کوئی مصحف پایا جائے تو اسے

تلف کردیں چنانچہ آپ نے متعدد مصاحف (جوان مستند مصاحف سے ترتیب میں مختلف تھے) جمع کرکے تلف کرادیئے، اکثر روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ آپ نے ان مصاحف کو نذر آتش کردیا تھا لیکن علامہ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ انہوں نے قرآنی نسخے جلائے نہیں تھے بلکہ ان کے استعمال پر پابندی لگادی تھی علامہ شبلیؒ نے ابن حجرؒ کی یہ رائے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''حضرت عثمانؓ کی نسبت یہ روایت مشہور ہے کہ قرآن کے متفرق ومختلف اجزاء ان کے حکم سے جلا دیئے گئے، روایت کے الفاظ میں ''یحرق'' (حائے حطی) سے بیان کیا جاتا ہے مگر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بڑے وثوق اور تصریح کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ''**فی روایة الاکثر ان یخرق بالخاء المعجمة وھو اثبت**'' یعنی اکثر روایتوں میں ''یحرق'' کی جگہ جس سے جلانے کا ثبوت دیا جاتا ہے ''یخرق'' خائے شخذ سے وارد ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ قرآن کے غیر مرتب نسخے خرقہ کی طرح لپیٹ کر رکھ دیئے جائیں یعنی اب ان سے کام نہ لیا جائے۔[15]

بہرکیف صورت واقعہ جو بھی ہو یہ بات طے ہوگئی ہے کہ ایک مستند، معیاری اور رہنما (امام) نسخے کے مرتب ہونے کے بعد دوسرے نسخوں کے استعمال کی کوئی وجہ جواز باقی نہیں رہی، انہیں لپیٹ کر رکھ دینا یا جلا کر تلف کر دینا یکساں ہے کیونکہ صحابہ کرام کی عظیم اکثریت نے حضرت عثمانؓ کی کارروائی کو تحسین کی نظر سے دیکھا تھا اور کسی شخص سے کوئی اعتراض یا تنقید منقول نہیں ہے حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی تائید کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''ایھا الناس ! ایاکم والغلو فی عثمان ، تقولون حرق المصاحف ، واللہ ما حرقھا الاعن ملأ من اصحاب محمد ﷺ، ولو ولیت مثل ما ولی لفعلت مثل الذی فعل''[16]

''اے لوگو! عثمان کے بارے میں حد سے مت بڑھو، تم کہتے ہو کہ انہوں نے مصاحف نذر آتش کردیئے ہیں بخدا! انہوں نے یہ کارروائی اصحاب محمد ﷺ کی ایک جماعت

کے مشورہ سے کی ہے اگر مجھے بھی وہی اختیارات حاصل ہوتے جو انہیں حاصل تھے تو میں بھی وہی قدم اٹھاتا جو انہوں نے اٹھایا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف جب بغاوت کا طوفان اٹھا تو ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے لیکن ان کے مخالفین میں سے کسی نے بھی ان پر قرآن حکیم کے بارے میں کوئی نکتہ چینی نہ کی کیونکہ انہوں نے مصاحف کی تیاری نہایت احتیاط سے کرائی تھی اور اس میں اپنی طرف سے کوئی تصرف نہیں کیا تھا، بصورت دیگر ناممکن تھا کہ ان کے خون کے پیاسے باغی خاموش رہتے، تقریباً یہی بات بعض شیعہ علماء نے بھی اپنی کتابوں میں لکھی ہے، علامہ خوئی مرحوم نے اپنی تفسیر میں ''تحریف'' کے مسئلہ پر اچھی خاصی بحث کی ہے، خلفاء ثلاثہ پر تحریف قرآن کے الزام کی تردید کرتے ہوئے جب حضرت عثمان کا ذکر آیا تو لکھتے ہیں۔

''باقی رہا یہ احتمال کہ حضرت عثمانؓ نے تحریف کی ہو، یہ پہلے سے بھی زیادہ بعید اور ضعیف ہے کیونکہ ......اگر تحریف قرآن کے مرتکب حضرت عثمانؓ ہوتے تو قاتلین حضرت عثمانؓ کے لئے معقول عذر اور بہترین دلیل بنتی، اور قاتلین کو یہ جواز پیش کرنے کی ضرورت نہ پڑتی کہ حضرت عثمانؓ نے بیت المال کے سلسلے میں سیرت شیخین کی مخالفت کی ہے یا اس کے علاوہ دوسرے احتجاجوں کی ضرورت نہ ہوتی۔ ۱۷

علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

''مصاحف عثمانیہ اختلاف (قرأت) کی تاریک فضا میں منارہ نور، فتنے کی رات میں روشن قندیل، لڑائی جھگڑے کے ماحول میں منصف عادل اور بیماری کی مصیبت میں مؤثر نسخہ شفا ثابت ہوئے'' ۱۸

مصاحف عثمانیہ کا سراغ :

ڈاکٹر صبحی صالح اور علامہ زرقانی کا خیال ہے کہ اس وقت دنیا میں مصاحف عثمانیہ میں سے ایک نسخہ بھی موجود نہیں ہے کیونکہ جن قدیم نسخوں کو حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ان پر اعراب اور نقطے لگے ہوئے ہیں، علامات اعشار اور سورتوں کے درمیان فصل کے نشانات ثبت ہیں حالانکہ مصاحف عثمانیہ ان مندرجات سے معری تھے۔ ۱۱۹

لیکن ان بزرگوں کی رائے محل نظر ہے ماضی میں متعدد اہل علم نے قدیم مصاحف کی چھان بین کے دوران چند مصاحف کے بارے میں تصدیق کی ہے کہ ان کا تعلق عہد عثمانی سے ہے، کیونکہ ان مصاحف پر حضرات عثمان، زید بن ثابت اور دیگر صحابہ کرامؓ کے دستخط اور نام لکھے ہوئے ملتے ہیں۔

چنانچہ پروفیسر عبدالصمد صارم نے اپنی کتاب "تاریخ القرآن" میں ان مصاحف کی تفصیلات لکھی ہیں جن کی تلخیص حسب ذیل ہیں:

۱) مصحف عثمان اول:

یہ مصحف جناب عثمانؓ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا بوقت شہادت آپ اسی کی تلاوت فرمارہے تھے آپ کے بعد یہ خلفاء بنوامیہ کے پاس رہا، ابن بطوطہ نے آٹھویں صدی ہجری میں بصرہ میں اس کی زیارت کی تھی جنگ عظیم اول میں یہ نسخہ روسیوں کے ہاتھ آ گیا تھا کچھ عرصہ ماسکو میں رہا پھر ترکستانی مسلمانوں نے اس کے حصول کے لئے روسی حکومت سے رابطہ قائم کیا۔ (پروفیسر صارم نے یہیں تک لکھا ہے اس کے علاوہ انہوں نے اس مصحف کے بارے میں کوئی معلومات فراہم نہیں کیں)

۱۹۶۱ء میں پاکستان میں متعین روسی سفیر نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا:

"تاشقند میں کلام پاک کا وہ نسخہ موجود ہے جو شہادت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ

عنہ تلاوت فرمار ہے تھے''[120]

۱۹۶۶ء میں پاکستان کے صدر محمد ایوب خان مرحوم تاشقند گئے تھے وہاں کے مفتی اعظم نے اس مصحف کی ایک عدد فوٹو کاپی انہیں بطور تحفہ دی تھی، وہ اسے اپنے ساتھ وطن لائے تھے آج کل یہ متاع بے بہا کراچی کے قومی عجائب گھر میں محفوظ ہیں یہ فوٹو کاپی چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے ہر جلد کا طول بیس انچ، عرض سولہ انچ اور وزن تین چار کلوگرام کے لگ بھگ ہے پہلی جلد سورہ البقرۃ کی آیت ''ولهم عذاب عظيم'' سے شروع ہوتی ہے ابتدائی دو یا تین صفحات کا فوٹو اس میں شامل نہیں ہے چوتھی جلد سورہ شوریٰ تک ہے اس کے بعد کا حصۂ قرآن پانچویں جلد میں ہوگا جو اس مجموعہ میں شامل نہیں ہے۔

اس مصحف کا قلم موٹا اور تحریر صاف ہے یہ نسخہ نقطوں، اعراب اور دیگر علامات سے خالی ہے سورہ توبہ کے سوا ہر سورہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے شروع ہوتی ہے، یعنی دو سورتوں کے درمیان خط امتیازی یہی تسمیہ ہے پہلی جلد میں صفحات کے نمبر بھی درج ہیں شاید یہ کام پاکستان میں ہوا ہے کیونکہ باقی تین جلدوں میں صفحات کے نمبر نہیں ملتے اس فوٹو کاپی سے اصل نسخہ کے کاغذ کا انتہائی بوسیدہ اور خستہ ہونا بھی جھلکتا ہے کیونکہ چند مقامات پر کاغذ چسپاں کر کے اصل کاغذ کی مرمت کی گئی ہے بعض مقامات پر اس مرمت کے کام سے کچھ الفاظ بھی چھپ گئے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی فوٹو نہایت صاف اور الفاظ نمایاں ہیں رسم الخط کوفی ہے ذرا سی کوشش اور توجہ سے یہ رسم الخط پڑھا جا سکتا ہے۔[121]

۲) مصحف مدنی:

اسے ''مصحف امام'' بھی کہا جاتا ہے اس پر لکھا ہوا ہے:

''هذا ما اجمع عليه جماعة من اصحاب رسول الله ﷺ، منهم زيد بن ثابت وعبد الله بن الزبير وسعيد بن العاص''۔

اس کے بعد کچھ اور صحابہ کرام کے نام بھی درج ہیں، یہ مصحف حضرت عثمانؓ کے حکم سے مدینہ منورہ میں رکھا گیا تھا ان کی شہادت کے بعد مختلف خلفاء کو منتقل ہوتا رہا۔ اسپین فتح ہوا تو مسلمان اسے اندلس لے گئے وہاں سے مراکش کے دارالخلافہ فاس پہنچا، پھر وہاں سے اسے واپس مدینہ منورہ لایا گیا جنگ عظیم اول میں مدینہ کا گورنر فخری پاشا اسے دیگر تبرکات کے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا وہاں اب تک یہ مصحف موجود ہے۔

۳) مصحف مکی:

حضرت عثمانؓ نے جو مصحف مکہ مکرمہ بھیجا تھا وہ عرصۂ دراز تک وہاں موجود رہا شیخ عبدالملک نے ۷۳۵ھ میں اس کی زیارت کی تھی آٹھویں صدی ہجری یا اس کے بعد کسی زمانے میں یہ مصحف دمشق منتقل ہو گیا مولانا شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں:

> ''یہ مصحف میرے سفر قسطنطنیہ کے زمانے تک دمشق میں موجود تھا کئی برس ہوئے جب سلطان عبدالحمید خان کے زمانے میں جامع مسجد جل گئی تو یہ مصحف بھی جل گیا''۔[۱۲۲]

۴) مصحف شامی:

اس مصحف نے تاریخ کے متعدد نشیب وفراز دیکھے ہیں ۶۴۵ھ میں ایک جنگ کے ہنگامے میں یہ گم ہو گیا تھا بازیابی کے بعد اسے تلمسان کے شاہی خزانہ میں رکھا گیا وہاں سے اسے ایک تاجر نے خرید کر مراکش کے دارالحکومت فاس لایا جہاں یہ نسخہ آج تک محفوظ ہے۔

۵) مصحف بصری:

کتب خانہ خدیو (مصر) میں موجود ہے، اسے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے ایک وزیر نے تیس ہزار اشرفیوں میں خریدا تھا۔

۶) مصحف یمنی:

کتب خانہ جامعہ ازہر (مصر) میں موجود ہے۔

۷) مصحف بحرین:

فرانس کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

۸) مصحف کوفی:

قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں رکھا ہوا ہے۔

ان مصاحف کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے تین اور مصاحف کا بھی سراغ مل گیا ہے:

۹) مصحف عثمان دوم:

جامع سیدنا حسین قاہرہ (مصر) میں موجود ہے۔

۱۰) مصحف عثمان سوم:

جامعہ ملیہ دہلی کے کتب خانہ میں محفوظ تھا، مولانا شمس الحق افغانی لکھتے ہیں:

''اگر ہنگامہ تقسیم ہندوستان میں تلف نہ ہوا ہو تو موجود ہوگا''۔[۱۲۳]

۱۱) مصحف عثمان چہارم:

اس نسخہ پر رقم ہے ''**کتبه عثمان بن عفان**''

یہ نسخہ ہندوستان میں شاہان مغلیہ کے پاس تھا، اکبر بادشاہ کی مہر اس پر ثبت ہے دور غلامی میں یہ ایک انگریز میجر اونس کو ملا تھا اس نے اسے ایسٹ انڈیا کمپنی کے کتب خانہ کے حوالہ کر دیا آج کل یہ مصحف انڈیا آفس (لندن) کی لائبریری کی زینت ہے۔[۱۲۴]

مصاحف عثمانیہ کی تعداد:

اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کے جو نسخے اطراف ملک میں بھجوائے تھے ان کی تعداد کیا تھی، امام ابوعمرو الدانی ''المقنع''میں رقم طراز ہیں:

''اکثر علماء کرام کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کے چار نسخے مرتب کروائے تھے ان میں سے تین کوفہ بصرہ اور شام بھجوادیئے اور ایک اپنے پاس رکھ لیا، بعض علماء کا خیال ہے کہ آپ نے سات نسخے لکھوائے تھے جو کوفہ، بصرہ، شام، مکہ، یمن اور بحرین بھجوادیئے اور ایک اپنے پاس رکھ لیا، مگر پہلا قول صحیح تر ہے اور آئمہ کا مذہب بھی یہی ہے''۔[۱۲۵]

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:

''مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کے پانچ نسخے لکھوائے تھے''[۱۲۶]

اور اگر ان کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے ذاتی نسخہ ''المصحف الامام'' کو بھی شامل کرلیا جائے تو کل چھ نسخے بن جاتے ہیں اس طرح جس قول میں سات نسخوں کا ذکر کیا گیا ہے اگر ان میں آپ کے ذاتی نسخہ کو نکال دیا جائے تو چھ باقی رہ جاتے ہیں۔

قرآن کریم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا شمار ان حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہوتا ہے کہ جو نزول قرآن کے دوران وحی قلمبند کیا کرتے تھے آپ آیات کے شان نزول سے اچھی طرح واقف تھے ناسخ ومنسوخ کا علم رکھتے تھے، خلفاء ثلاثہ کے دور میں آپ شوریٰ کے معتمد ترین رکن تھے عہد صدیقی وعثمانی میں قرآن کریم کی جمع وتدوین اور مصاحف کی تیاری میں آپ کے گرانقدر

مشورے بھی شامل تھے قرآن کو کتابی شکل میں ڈھالنے اور اس کی نقول تیار کرنے کا عظیم منصوبہ آپ کی موجودگی میں پایۂ تکمیل کو پہنچا "مصحف ام" کے مکمل ہونے پر آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمات کو سراہا تھا اور "مصحف امام" کی تدوین کے بعد دیگر مصاحف کے جلائے جانے پر کچھ لوگوں نے زبان کھولی تو آپ نے حضرت عثمانؓ کا دفاع کیا تھا اور وضاحت فرمائی تھی کہ یہ کارروائی ہمارے مشورے سے کی گئی ہے اگر میری حکومت ہوتی تو میں بھی یہی قدم اٹھاتا جو حضرت عثمانؓ نے اٹھایا تھا۔

واضح رہے کہ مصحف عثمانی، مصحف صدیقی کی ہو بہو نقل تھا، مصحف صدیقی اس قرآن کے عین مطابق مرتب کیا گیا تھا جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "عرضہ اخیرہ" میں تلاوت فرمائی تھی، گویا مصحف عثمانی، قرآن نبوی ہی کی کتابی شکل تھی، اور یہ مصحف اول سے آخر تک پورے کا پورا وحی الٰہی پر مشتمل تھا نہ اس میں غیر وحی (انسانی کلام) کی آمیزش ہوئی اور نہ اس میں کسی حصے کی کمی واقع ہوئی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی مصحف کی تصدیق کی اور زندگی بھر اپنا تعلق اسی کے ساتھ استوار رکھا تھا کیونکہ:

۱۔ آپ پنجگانہ نمازوں، جمعہ، عیدین اور تراویح میں اسی قرآن کو پڑھتے اور سناتے تھے۔

۲۔ آپ اسی قرآن کی تلاوت فرماتے اور اسی کی تفسیر وتشریح کیا کرتے تھے۔

۳۔ آپ کے عہد خلافت میں مساجد اور مکاتب میں یہی قرآن پڑھا اور پڑھایا جاتا تھا۔

۴۔ آپ کے دور حکومت میں سیاسی انتظام کی بنیاد یہی قرآن تھا۔

۵۔ اسی قرآن کے مطابق عدالتوں میں فیصلے کئے جاتے تھے۔

۶۔ معرکۂ صفین کے بعد آپ نے اسی قرآن کو حکم بنایا تھا جب آپ یہ فرمارہے تھے:

"انا لم نحکم الرجال وانما حکمنا القرآن" [۱۲۷]

ہم نے لوگوں کو اپنا منصف نہیں بنایا بلکہ قرآن کو منصف ٹھرایا ہے۔

اس حکم (منصف) سے آپ کی مراد یہی قرآن تھا۔

۷۔ آپ کا فرمان ہے: "کتاب اللّٰہ بین اظہر کم"۔ [۱۲۸]

"اللہ کی کتاب تمہارے درمیان موجود ہے" اس "کتاب اللہ" کا مصداق بھی یہی قرآن تھا۔

۸۔ آپ نے ایک شخص حارث بن ہمدان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"وتمسک بحبل القرآن واستنصح احل حلاله وحرم حرامه"۔

قرآن کی رسی کو مضبوطی سے تھام، اس سے نصیحت حاصل کر اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام جان۔

۹۔ آپ کی یہ نصیحت بھی اسی قرآن کے حق میں تھی۔

آپ فرمایا کرتے تھے:

"علیکم بکتاب اللّٰہ فانه الحبل المتین". [۱۲۹]

اللہ کی کتاب کے ساتھ تعلق استوار رکھو، کیونکہ یہ مضبوط رسی (رشتہ) ہے۔

آپ کا یہ فرمان بھی اسی قرآن کے بارے میں تھا۔

۱۰۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

"تعلموا القرآن فانه أحسن الحدیث". [۱۳۰]

قرآن سیکھو کیونکہ یہ سب سے اچھی حدیث (کلام) ہے۔ تلک عشرة کاملة۔

انصاف پسند شیعہ علماء کا موقف بھی یہی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلفاء ثلاثہ کے دور میں مرتب ومدون شدہ قرآن کی تصدیق کرتے تھے چنانچہ ذیل میں شیعہ علماء کے اقوال ملاحظہ ہوں:

علامہ خوئی لکھتے ہیں:

''امیر المؤمنین (حضرت علیؓ) کا موجودہ قرآن کی تائید کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی''۔ (۱۳۱)

ایک اور شیعہ عالم طالب حسین کرپالوی لکھتے ہیں:

''حضرت علیؓ، طلحہ سے دریافت کرتے ہیں: **فاخبرنی عما کتب عمر وعثمان، اقران کله ام فيه ماليس بقرآن ؟ قال طلحة ! بل قرآن كله قال ان اخذتم بما فيه نجوتم من النار ودخلتم الجنة فان فيها حجتنا وبيان حقنا وفرض طاعتنا .**

حضرت نے پوچھا، اے طلحہ! جو قرآن حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ نے جمع کیا ہے آیا وہ سارے کا سارا قرآن ہے یا اس میں غیر قرآن بھی ہے؟ طلحہ نے جواب دیا کہ وہ سارے کا سارا قرآن ہے حضرت علیؓ نے طلحہ سے فرمایا جو کچھ اس میں ہے اگر اس پر عمل کرو گے تو نار جہنم سے نجات پاؤ گے اور سیدھے جنت میں جاؤ گے، تحقیق اس میں ہماری حجتیں ہیں ہمارے حق کا بیان ہے اور ہماری اطاعت کے فرض ہونے کا تذکرہ ہے۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے جمع کردہ قرآن کی تصدیق فرما کر اس کے کم وزائد ہونے کے شبہ کو ہمیشہ کے لئے ختم فرما دیا۔ ۱۳۲

مصاحف علی کرم اللہ وجہہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے ہاتھ سے متعدد مصاحف لکھے تھے حیات رسول اللہ ﷺ میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی، پروفیسر صارم نے اپنی کتاب ''تاریخ القرآن'' میں ان کے سات مصاحف کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے چھ آج تک محفوظ ہیں:

الف پہلا مصحف مشہد میں ہے اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دستخط بھی ثبت ہیں۔

ب۔ دوسرا مصحف جامع ایا صوفیہ (قسطنطنیہ) کے کتب خانہ میں ہے۔

ج۔ تیسرا مصحف ۳۷۸ھ تک موجود تھا ابن ندیم نے اس کی زیارت کی تھی اس کے بعد اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا کہ موجود ہے یا تلف ہو گیا ہے۔

د۔ چوتھا مصحف مدینہ منورہ میں محفوظ تھا جنگ عظیم اول کے بعد جب مقدس امانات قسطنطنیہ منتقل ہوئیں تو ان میں یہ مصحف بھی شامل تھا۔

ھ۔ پانچواں مصحف جامع سیدنا حسین (قاہرہ) میں موجود ہے۔

و۔ چھٹا مصحف جامعہ ملیہ (دہلی) کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

ز۔ ساتواں مصحف تبرکات جامع مسجد دہلی میں ہے اور چند اوراق بادشاہی مسجد لاہور میں بھی موجود ہیں یہ مصاحف ''مصحف امام'' کی نقلیں ہیں ان سورتوں اور آیتوں کی ترتیب بعینہ وہی ہے جو مصاحف عثمانیہ میں تھی۔[۱۳۳]

مصحف علی (کرم اللہ وجہہ) کی حقیقت وحیثیت:

علماء اور محدثین کی تحقیق کے مطابق ''مصحف علی'' (مختلف فیہ) کے بارے میں جتنی روایات پائی جاتی ہیں سب ضعیف ہیں قرآن متواتر کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، راویوں کے ضعف سے قطع نظر اگر (علی سبیل التنزل) ان روایات کو قبول کیا جائے تو ان سے صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مصحف ترتیب نزول کے مطابق مرتب کیا تھا یہ ان کی انفرادی کاوش تھی چند دوسرے صحابہ کرام نے بھی ترتیب نزول کے مطابق مصاحف لکھے تھے یہ سب صحیفے انہوں نے اپنے لئے لکھے تھے لوگوں میں ان کی نشر واشاعت مقصود نہ تھی۔

ایک شیعہ عالم طالب حسین کرپالوی، احمد بن یعقوب یعقوبی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''حضرت علیؓ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد جو قرآن مرتب فرمایا تھا وہ سات اجزاء پر مشتمل تھا اور سات اجزاء کی صورت مندرجہ ذیل تھی:

الجزء الاول :جزء البقرة	البقره، يوسف ، العنكبوت............	
الجزء الثانی :جزء آل عمران	آل عمران ، هود ، الحج	
الجزء الثالث :جزء النساء	النساء ، النحل ، المؤمنون............	
الجزء الرابع :جزء المائدة	المائدة ، يونس ، مريم	
الجزء الخامس: جزء الانعام	الانعام ، الاسراء، اقترب...............	
الجزء السادس: جزء الاعراف	الاعراف، ابراهيم ، الكهف............	
الجزء السابع :جزء الانفال	الانفال، برأة ، طه ۱۳۴	

اسی طرح ان کا مصحف مختلف فیہ بھی ان کے اپنے ذاتی استعمال کے لئے تھا نہ کہ عوام کے لئے۔

اعراب، نقطے، حرکات۔ احزاب، منزلیں، جزء یا پارے وغیرہ:

خلافت راشدہ کے زمانے تک قرآن میں اعراب ونقاط کا وجود نہ تھا پڑھنے میں اعراب ونقاط محفوظ تھے یعنی ش، ش ہی پڑھا جاتا تھا، س، س ہی پڑھا جاتا تھا، ظ، ظ ہی پڑھی جاتی تھی، ط، ط ہی پڑھی جاتی تھی، زبر، زبر ہی ادا کیا جاتا تھا، کسرہ نہیں پڑھا جاتا تھا کیونکہ عرب اس پر قادر تھے۔

ولكن ملكة الاعراب الموجودة فی نفوسهم قبل اختلاطهم بالامم العجمية لسانهم عن اللحن .

یعنی ان کے نفوس میں اعراب کا ملکہ موجود تھا اس نے ان کی زبان کو اغلاط سے محفوظ رکھا

تھا۔۱۳۵۔

حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کے جو نسخے لکھوائے تھے ان پر نقطے اور اعراب نہ تھے، اسلئے اہل عجم کو ان کی تلاوت میں دشواری ہوتی تھی چنانچہ جب اسلام عجمی ممالک میں اور زیادہ پھیلا تو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس میں نقطوں اور حرکات کا اضافہ کیا جائے تا کہ تمام لوگ آسانی سے اس کی تلاوت کرسکیں، اس مقصد کے لئے مختلف اقدامات کئے گئے جن کی مختصر تاریخ درج ذیل ہے:

نقطے:

اہل عرب میں ابتداءً حروف پر نقطے لگانے کا رواج نہیں تھا بلکہ لکھنے والا خالی حروف لکھنے پر اکتفا کرتا تھا اور پڑھنے والے اس طرز کے اتنے عادی تھے کہ انہیں بغیر نقطوں کی تحریر پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی، سیاق وسباق کی مدد سے مشتبہ حروف میں امتیاز بھی بآسانی ہو جاتا تھا بلکہ بسا اوقات نقطے ڈالنے کو معیوب سمجھا جاتا تھا مؤرخ مدائنیؒ نے ایک ادیب کا مقولہ نقل کیا ہے کہ:

"كثرة النقط فی الكتاب سوء ظن بالمكتوب اليه"۔

خط میں کثرت سے نقطے ڈالنا مکتوب الیہ (کی فہم) سے بدگمانی کے مرادف ہے۔۱۳۶

چنانچہ مصاحف عثمانی بھی نقطوں سے خالی تھے، اور عمومی رواج کے علاوہ اس کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ اس رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سماسکیں، لیکن بعد میں عجمی اور کم پڑھے لکھے مسلمانوں کی سہولت کے لئے قرآن کریم پر نقطے ڈالے گئے اس میں روایات مختلف ہیں کہ قرآن کریم کے نسخے پر سب سے پہلے کس نے نقطے ڈالے؟ بعض روایتیں یہ کہتی ہیں کہ یہ کارنامہ سب سے پہلے ابوالاسود دؤلیؒ نے انجام دیا۔۱۳۷

بعض کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ کام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلقین کے تحت کیا۔۱۳۸

اور بعض نے کہا کہ کوفہ کے گورنر زیاد بن ابی سفیانؓ نے ان سے یہ کام کرایا۔۱۳۹

اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے عبدالملک بن مروان کی فرمائش پر یہ کام کیا۔۱۴۰

ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ کارنامہ حجاج بن یوسف نے حسن بصری، یحییٰ بن یعمر، اور نصر بن عاصم لیثیؒ کے ذریعہ انجام دیا۔[141]

بعض حضرات نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جس شخص نے قرآن کریم پر نقطے ڈالے وہی نقطوں کا موجد بھی ہے اس سے پہلے نقطوں کا کوئی تصور نہیں تھا، لیکن علامہ قلقشندیؒ نے (جو رسم الخط اورفن انشاء کے محقق ترین عالم ہیں) اس کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ نقطوں کی ایجاد اس سے بہت پہلے ہوچکی تھی، ایک روایت کے مطابق عربی رسم الخط کے موجد قبیلہ بولان کے مرامر بن مرہ، اسلم بن سدرہ، اور عامر بن جدرہ ہیں، مرامر نے حروف کی صورتیں ایجاد کیں، اسلم نے فصل و وصل کے طریقے وضع کئے اور عامر نے نقطے بنائے۔[142]

اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ نقطوں کے سب سے پہلے استعمال کا سہرا حضرت ابوسفیان بن حربؓ کے دادا ابوسفیان بن امیہ کے سر ہے، انہوں نے یہ حیرہ کے باشندوں سے سیکھے تھے اور حیرہ کے باشندوں نے اہل انبار سے۔[143]

لہذا نقطے ایجاد تو بہت پہلے سے ہو چکے تھے لیکن قرآن کریم کو متعدد مصلحتوں کے تحت ان سے خالی رکھا گیا تھا بعد میں جس نے بھی قرآن کریم پر نقطے ڈالے وہ نقطوں کا موجد نہیں ہے، بلکہ صرف قرآن کریم میں ان کا استعمال سب سے پہلے اس نے کیا۔[144]

حرکات:

نقطوں کی طرح شروع میں قرآن کریم پر حرکات (زیر زبر پیش) بھی نہیں تھیں اور اس میں بھی روایات کا بڑا اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کس نے حرکات لگائیں؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے ابوالاسود دوئلیؒ نے انجام دیا، بعض کہتے ہیں کہ یہ کام حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمرؒ اور نصر بن عاصم لیثیؒ سے کرایا۔[145]

اس سلسلے میں تمام روایات کو پیش نظر رکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حرکات سب سے پہلے ابو

الاسود دؤلیؒ نے وضع کیں لیکن یہ حرکات اس طرح کی نہ تھیں جیسی آج کل معروف ہیں بلکہ زبر کے لئے حرف کے اوپر ایک نقطہ، زیر کے لئے حرف کے نیچے ایک نقطہ، پیش کے لئے حرف کے سامنے ایک نقطہ اور تنوین کے لئے دو نقطے، مقرر کئے گئے۔[146]

بعد میں خلیل بن احمدؒ نے ہمزہ اور تشدید کی علامتیں وضع کیں،[147]

اس کے بعد حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمر، نصر بن عاصم لیثی اور حسن بصری رحمہم اللہ سے بیک وقت قرآن کریم پر نقطے اور حرکات دونوں لگانے کی فرمائش کی اس موقع پر حرکات کے اظہار کے لئے نقطوں کے بجائے زبر زیر پیش کی موجودہ صورتیں مقرر کی گئیں تاکہ حروف کے ذاتی نقطوں سے ان کا التباس پیش نہ آئے، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

احزاب یا منزلیں:

صحابہؓ اور تابعین کا معمول یہ تھا کہ وہ ہر ہفتے ایک قرآن ختم کر لیتے تھے اس مقصد کے لئے انہوں نے روزانہ کی ایک مقدار مقرر کی ہوئی تھی جسے ''حزب'' یا ''منزل'' کہا جاتا ہے اس طرح قرآن کریم کو کل سات احزاب پر تقسیم کیا گیا تھا، حضرت اوس بن حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہؓ سے پوچھا آپ نے قرآن کے کتنے حزب بنائے ہوئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک حزب تین سورتوں کا، دوسرا پانچ سورتوں کا تیسرا سات سورتوں کا چوتھا نو سورتوں کا، پانچواں گیارہ سورتوں کا چھٹا تیرہ سورتوں کا اور آخری حزب مفصل میں ق سے آخر تک کا''۔[148]

جزء یا پارے:

آج کل قرآن کریم تیس اجزاء پر منقسم ہے جنہیں تیس پارے کہا جاتا ہے یہ پاروں کی تقسیم معنی کے اعتبار سے نہیں بلکہ بچوں کو پڑھانے کے لئے آسانی کے خیال سے تیس مساوی حصوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے، چنانچہ بعض اوقات بالکل ادھوری بات پر پارہ ختم ہو جاتا ہے یقین کے ساتھ یہ کہنا

مشکل ہے کہ یہ تیس پاروں کی تقسیم کس نے کی ہے؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف نقل کراتے وقت انہیں تیس مختلف صحیفوں میں لکھوایا تھا، لہذا یہ تقسیم آپ ہی کے زمانے کی ہے۔۱۴۹

لیکن متقدمین کی کتابوں میں اس کی کوئی دلیل نہیں مل سکی البتہ علامہ بدرالدین زرکشیؒ نے لکھا ہے کہ قرآن کے تیس پارے مشہور چلے آتے ہیں، اور مدارس کے قرآنی نسخوں میں ان کا رواج ہے۔۱۵۰

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم عہد صحابہؓ کے بعد تعلیم کی سہولت کے لئے کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

اخماس اور اعشار:

قرون اولیٰ کے قرآنی نسخوں میں ایک اور علامت کا رواج ''خمس یا خ'' اور ہر دس آیتوں کے بعد لفظ ''عشر یا ع'' لکھدیتے ہیں پہلی قسم کی علامتوں کو ''اخماس'' اور دوسری قسم کی علامتوں کو ''اعشار'' کہا جاتا ہے۔۱۵۱

علماء متقدمین میں یہ اختلاف بھی رہا ہے کہ بعض حضرات ان علامتوں کو جائز اور بعض مکروہ سمجھتے تھے۔۱۵۲

یقینی طور سے یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ یہ علامتیں سب سے پہلے کس نے لگائیں؟ ایک قول یہ ہے کہ اس کا موجد حجاج بن یوسف تھا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے عباسی خلیفہ مأمون نے اس کا حکم دیا تھا۔۱۵۳

لیکن یہ دونوں اقوال اس لئے درست معلوم نہیں ہوتے کہ خود صحابہؓ کے زمانے میں ''اعشار'' کا تصور ملتا ہے، مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے:

"عن مسروق عن عبد اللهؓ انه کره التعشیر فی المصحف"

مسروقؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مصحف میں اعشار کا نشان ڈالنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔[۱۵۴]

اس سے معلوم ہوا کہ "اعشار" کا تصور صحابہؓ کے زمانے ہی میں پیدا ہو چکا تھا۔

رکوع:

ایک اور علامت جس کا رواج بعد میں ہوا، اور آج تک جاری ہے رکوع کی علامت ہے اور اس کی تعیین معنی کے لحاظ سے کی گئی ہے یعنی جہاں ایک سلسلہ کلام ختم ہوا وہاں رکوع کی علامت (حاشیہ پر حرف "ع") بنا دی گئی۔

طباعت قرآن کے مختلف ادوار:

مشیت ایزدی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ طباعت کے ذریعہ اس کی کتاب دنیا میں پھلے پھولے، قلمی کتابت کی طرح قرآن کریم کی طباعت پر بھی تحسین وتجمیل کے اعتبار سے کئی ادوار ومراحل گزرے، چنانچہ "البندقیہ" کے مقام پر پہلی مرتبہ قرآن کریم زیور طبع سے آراستہ ہو کر معرض ظہور میں آیا، مگر کلیسا کا غلبہ اسے برداشت نہ کر سکا، اور فی الفور قرآنی نسخوں کو ضائع کرنے کا حکم دیا پھر مستشرق ہنکلمان (Hinkelmann) نے ہینبوگ (Hanboutg) میں ۱۶۹۴ء میں قرآن کریم طبع کیا بعد ازاں مستشرق مراکی (Marracci) نے ۱۶۹۸ء میں پاڈو (Padoue) میں قرآن کریم چھپوایا، مگر اسلامی دنیا میں ان طبعات ثلاثہ کو قبولیت حاصل نہ ہو سکی۔[۱۵۵]

قرآن کریم کو پہلی مرتبہ مولائی عثمان نے روس کے شہر سینٹ پیٹرس برگ (Saint Peters Bourg) میں ۱۷۸۷ء میں خالص اسلامی طباعت کے زیر اہتمام چھپوایا اسی طرح

قازان کے شہر میں بھی قرآن کریم کو طبع کیا گیا۔

۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۲۸ء میں ایران کے شہر طہران میں قرآن کریم کو پتھر پر چھاپا گیا، اسی طرح ایران کے شہر تبریز میں ۱۲۴۸ھ میں قرآن کریم کو زیور طبع آراستہ کیا گیا، مستشرق فلوجل (Flugel) نے ۱۸۳۴ء میں بمقام لیپزگ (Leipzig) بڑے اہتمام سے قرآن کریم چھپوایا اس نسخہ کو آسان ہونے کی وجہ سے یورپ میں بڑی قبولیت حاصل ہوئی، مگر اسلامی ممالک میں یہ مقبول نہ ہوسکا، اس کے بعد ہندوستان میں قرآن کریم کئی مرتبہ چھاپا گیا۔ ۱۸۷۷ء میں ترکی کے شہر استنبول میں طباعت قرآن جیسے اہم کام کا بیڑا اٹھایا گیا۔

۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۳ء جب قاہرہ میں شیخ الازہر کی زیر سرپرستی قرآن کریم کا حسین وجمیل نسخہ شائع کیا گیا، تو اس واقعہ کو ایک تاریخی اہمیت حاصل ہوئی، شاہ فو اُدِاول نے اس کی دیکھ بھال کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی تھی قرآن کریم کا یہ نسخہ بروایت حفص از عاصم مرتب کیا گیا تھا اس نسخہ کو اسلامی دنیا میں بڑی شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی اس کے لاکھوں نسخے ہر سال شائع کر کے اطراف عالم میں بھیجے جاتے تھے، مشرق ومغرب کے تمام علماء اس بات پر متفق تھے کہ اس نسخہ کی طباعت وکتابت ہر لحاظ سے کامل اور معیاری ہے۔ [۱۵۶]

حوالہ جات

۱۔ سورة الحجر: ۹

۲۔ سورة القيامة:۱۷

۳۔ البروج : ۲۱

۴۔ البرهان ج: ۱، ص: ۲۴۲

۵۔ الاتقان ،ج: ۱، ص: ۲۵۱، الطبعة الاولیٰ ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۶ء

۶۔ بخاری جلد: ۲، ص: ۵۸۶، باب غزواة الرجیع ورعل وذكوان وبئر معونة الخ

۷۔ مناهل العرفان للزرقانی ج: ۱، ص: ۲۳۵

۸۔ الصحيح البخاری، ج: ۱، ص: ۱۹، باب التناؤب فی العلم

۹۔ احمد: ۱۳۷/۳، رقم الحديث: ۱۲۴۲۵

۱۰۔ ص: ۲۱

۱۱۔ سورةالفرقان: ۵

۱۲۔ سورةالطور: ۱

۱۳۔ تفسير فتح البيان ۹ :۲۸

۱۴۔ تدوین قرآن افادات مناظر حسن گیلانی، ص: ۴۵

۱۵۔ سورة عبس : ۱۳ تا ۱۶

۱۶۔ سورةالواقعة : ۷۹

۱۷۔ استیعاب ،ج:۲، ص: ۴۲۱

۱۸۔ سورۃ عنکبوت :۴۸

۱۹۔ التراتیب الادارية للكتانی، ج: ا ، ص:۱۱۶ ، مطبوعة دارا حياء التراث العربی بیروت

۲۰۔ عقد الفريد ، ج:۳، ص:۲۷،التراتیب الادارية ، ج: ا ، ص:۱۱۸

۲۱۔ رواه الطبرانی فی الاوسط، ج:۷، ص:۱۹ ، طبع مكتبة المعارف رياض ۱۹۹۵ ، تحقيق محمود طحان ، مجمع الزوائد ، ج:۷، ص:۱۵۷

۲۲۔ سورۃ النساء :۹۵

۲۳۔ درمنثور جلد ۲، ص: ۲۴۱ ، طبع دارالفکر بیروت ۱۹۹۳ء

۲۴۔ بخاری جلد۲،ص:۲۶۰

۲۵۔ کنز العمال ، الديلمی ، درمنثور، الفردوس بماثور الخطاب :۵/ ۳۹۴، رقم الحديث :۸۵۳۳، فتح الباری :۷/ ۵۰۴

۲۶۔ بخاری ،ج:۴. ص: ۱۹۰۹ ، حديث : ۲۷۰۶

۲۷۔ سورۃ النساء :۹۵

۲۸۔ معجم الاوسط :۲/ ۲۵۷،حدیث :۱۹۱۳ ، معجم الكبير :۵/ ۱۴۲ ، حديث ۴۸۸۹

۲۹۔ تفسیر قرطبی : ۱۱/ ۱۶۴

۳۰۔ مسلم :۳/ ۱۴۹۰ ، حديث ۱۸۶۹

۳۱۔ تاریخ طبری: ۱۹۵/۲

۳۲۔ المعجم الکبیر للطبرانی :۱۴۱/۹ ، رقم الحدیث :۸۷۰۰

۳۳۔ معجم الاوسط :۲۵۷/۲، حدیث ۱۹۱۳ ، معجم الکبیر :۱۴۲/۵ ، حدیث ۴۸۸۹

۳۴۔ الاتقان ، ج: ۱ ، ص: ۱۰۱

۳۵۔ صحیح ابن حبان ج،: ۱ ، ص: ۳۲۰، حدیث ۱۱۴

۳۶۔ لاریب فیه، ص: ۵۱

۳۷۔ تاریخ القرآن ،صارم، ص:۴۸،۴۹

۳۸۔ تاریخ القرآن ،عبد الصمد، صارم،ص: ۴۹

۳۹۔ تاریخ القرآن ،صارم: ۴۹

۴۰۔ صحیح بخاری ج:۶، ص: ۲۹ ،باب قوله والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً الخ، الاتقان ج: ۱ ، ص:۱۰۵

۴۱۔ الاتقان ،ج: ۱ ، ص: ۱۰۴

۴۲۔ سورۃ المزمل: ۴

۴۳۔ مسند امام أحمد : ۵۴۱ ، رقم الترجمة: ۳۹۹

۴۴۔ صحیح مسلم: ۵۵۵/۱، باب فضل سورة الکهف

۴۵۔ مسند أحمد :۲۶/۵

۴۶۔ سنن سعید بن منصور :۱۰۱۱/۳ ، رقم الحدیث :۴۷۶

۴۷۔ صحیح بخاری ، کتاب التفسیر ، باب ۱۸ ، کتاب الاحکام باب ۹۹ ، مسند احمد ،ج:۳، ص: ۱۲۰ ، ج،:۴، ص: ۳۸۱

۴۸۔ الاتقان ج: ا، ص:۱۰۵

۴۹۔ الاتقان فی علوم القرآن، ج: ا، نوع ۱۸

۵۰۔ مناهل العرفان، ج: ا، ص: ۳۴۶ تا ۳۴۸

۵۱۔ مناهل العرفان، ج: ا، ص: ۳۴۶ تا ۳۴۹، الاتقان، ج: ا، نوع: ۱۸ فصل ثانی

۵۲۔ مناهل العرفان: ۱/۳۴۶، الاتقان: ا، نوع: ۱۸

۵۳۔ مناهل العرفان، ج: ا، ص: ۳۴۶، الاتقان، ج: ا، نوع: ۱۸ بحواله لاریب فیه

۵۴۔ الاتقان، ج: ا، نوع: ۱۸

۵۵۔ مناهل العرفان، ج: ا، ص: ۳۴۶

۵۶۔ مناهل العرفان: ۱/۳۴۹

۵۷۔ الاتقان، ج: ا، نوع: ۱۸

۵۸۔ الاتقان، ج: ا، نوع: ۱۸

۵۹۔ الاحادیث المختارة: ۱/۴۹۴، رقم الحدیث: ۳۶۵

۶۰۔ تفسیر روح المعانی علامه آلوسی، ج: ا، ص: ۲۶

۶۱۔ مناهل العرفان: ۱/۳۵۴، الاتقان، ج: ا، نوع: ۱۸ فصل ثانی، مباحث فی علوم القرآن ڈاکٹر صبحی صالح دار العلم بیروت ۱۹۶۸ء، ص: ۷۱

۶۲۔ الاتقان، ج: ا، نوع: ۱۸ فصل ثانی، مناهل العرفان: ۱/۳۵۵

۶۳۔ الاتقان، ج: ا، نوع: ۱۸ فصل ثانی

۶۴۔ الاتقان ،ج: ا ، نوع :۱۸ فصل ثانی

۶۵۔ الاتقان ،ج: ا ، نوع :۱۸ فصل ثانی

۶۶۔ مباحث فی علوم القرآن ص:۷۳

۶۷۔ لاریب فیه،ص :۵۶، ۵۷

۶۸۔ مناهل العرفان : ۱/ ۳۶۰

۶۹۔ مباحث فی علوم القرآن ص: ۷۱

۷۰۔ تاریخ القرآن ، صارم :ص:۸۳

۷۱۔ لاریب فیه : ص: ۶۰

۷۲۔ لاریب فیه ،ص: ۶۰

۷۳۔ الفتح الربانی وبلوغ الامانی : احمد عبد الرحمن البنا ، دار احیاء التراث العربی ، ج:۱۸، ص:۱۵۵،۱۵۶

۷۴۔ تفسیر المنار ، علامه رشید مصری بحواله المسند للامام احمد بن حنبل شرح شیخ احمد محمد شاکر : ۱/ ۳۳۰

۷۵۔ مناهل العرفان : ۱/ ۳۶۱

۷۶۔ لاریب فیه ، ص:۱۸۵

۷۷۔ مباحث فی علوم القرآن ،ص: ۷۲

۷۸۔ المسند للامام أحمد بن حنبلؒ شرح شیخ أحمد محمد شاکر دارالمعارف مصر،ج: ۱/ ۳۲۹، ۳۳۰.

۷۹۔ المسند للامام احمد بن حنبلؒ شرح احمد محمد شاکر : ۱/ ۳۳۰، ۳۳۱

۸۰۔ التفسیر الکبیر ، امام فخر الدین رازی : ۲۱۶/۱۵، تفسیر سراج المنیر امام شیخ خطیب شربینی ، ج: ۱ ، آغاز تفسیر سورۃ توبہ ص: ۵۸۶ ، ۵۸۷

۸۱۔ تفسیر سراج المنیر امام شیخ خطیب شربینی ، ج: ۱ ، آغاز تفسیر سورۃ توبہ ص: ۵۸۷

۸۲۔ تفسیر روح المعانی علامہ آلوسی ، ۲۶/۱ ، ۲۷

۸۳۔ تفسیر روح المعانی : ۲۷/۱، ۱۵۹/۹

۸۴۔ الفصل الاول فی الملل و النحل ، علامہ ابن حزم : ۲۲/۴

۸۵۔ لاریب فیہ ،ص: ۶۸

۸۶۔ تفسیر روح المعانی : ۱۵۹/۹ ، الجامع للاحکام القرآن ، علامہ قرطبی ، تفسیر آغاز سورۃ توبۃ

۸۷۔ معارف القرآن ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی : ۲۷۵/۳تا۲۸۰

۸۸۔ صحیح البخاری : ۷۴۶/۲ ، باب جمع القرآن

۸۹۔ الاتقان : ۱۰۱/۱

۹۰۔ الاتقان : ۱۰۰/۱

۹۱۔ الاتقان : ۱۰۰/۱

۹۲۔ الاتقان : ۱۰۰/۱

۹۳۔ البرھان : ۲۳۴/۱

۹۴۔ البرھان : ۲۳۹/۱

۹۵۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام:۱۱۳/۲

۹۶۔ الاتقان : ۸۹/۱

۹۷۔ الاتقان : ج: ۱، ص:۱۸

۹۸۔ کتاب المصاحف ، عبد اللّٰہ بن ابی داؤد ، دارالباز ، مکة المکرمة ص: ۱۱۱

۹۹۔ Life of Muhammad، بحوالہ تاریخ القرآن، جیراجپوری، ص:۵۵

۱۰۰۔ علوم القرآن، مولانا شمس الحق، ص:۱۱۵

۱۰۱۔ البرهان فی علوم القرآن ، علامه زرکشی : ۲۶۲/۱

۱۰۲۔ تحفة الاحوذی :۴۰۸/۸

۱۰۳۔ مناهل العرفان : ۲۴۵/۱

۱۰۴۔ تحفة الاحوذی :۴۰۸/۸

۱۰۵۔ تاریخ القرآن ، صارم :ص: ۱۰۲

۱۰۶۔ ابوداؤد ،ج: ۲۰۲/۱، باب القنوت فی الوتر فی الصلاة

۱۰۷۔ تدوین حدیث، سید مناظر احسن گیلانی، مکتبہ اسحاقیہ کراچی، ص:۳۰۳

۱۰۸۔ کتاب المصاحف ، ابن ابی داؤد ، ص:۲۸، ۲۹، مباحث فی علوم القرآن ،ص : ۸۱

۱۰۹۔ صحیح البخاری ، باب جمع القرآن، ج: ۲، ص: ۷۴۶

۱۱۰۔ جامع ترمذی ، کتاب تفسیر القرآن

۱۱۱۔ الاتقان ، ج: ۱، نوع :۱۸ ، بحواله لاریب فیه ،ص:۹۸

۱۱۲۔ تفسیر روح المعانی : ۱/ ۲۳

۱۱۳۔ مطالعہ قرآن، مولانا محمد حنیف ندویؒ، ص: ۸۸ بحوالہ لاریب فیہ، ص: ۹۹

۱۱۴۔ البداية والنهاية ، علامه ابن كثير : ۷/ ۲۱۷

۱۱۵۔ فتح الباری : ۹/ ۲۰، ۲۱، مقالات شبلی : ۱/ ۲۲۰

۱۱۶۔ البداية والنهاية : ۷/ ۲۱۸

۱۱۷۔ البيان فی تفسير القرآن ، علامه خوئی ، اردو ترجمه : ۱/ ۲۱۶

۱۱۸۔ مناهل العرفان : ۱/ ۲۵۷

۱۱۹۔ مناهل العرفان : ۱/ ۴۰۴، مباحث فی علوم القرآن، ص: ۸۷

۱۲۰۔ ہفت روزہ خدام الدین نومبر ۱۹۷۱، بحوالہ لاریب فیہ، ص: ۱۰۲

۱۲۱۔ لاریب فیہ، ص: ۱۰۳

۱۲۲۔ شبلیؒ: ۱/ ۲۳) (مولانا شبلی مرحوم نے اپنا یہ تاریخی سفر غالباً ۱۸۹۶ء میں کیا تھا

۱۲۳۔ علوم القرآن، مولانا شمس الحق افغانی، ص: ۱۱۹

۱۲۴۔ تاریخ القرآن، صارم، ص: ۱۰۲۔۱۰۶

۱۲۵۔ البرهان : ۱/ ۲۴، المقنع، ص: ۱۰

۱۲۶۔ الاتقان : ۱/ ۱۰۴

۱۲۷۔ نهج البلاغة بحواله لاريب فيه ،ص: ۱۹۹

۱۲۸۔ نهج البلاغة بحواله لاريب فيه ، ص: ۱۱۹

۱۲۹۔ نهج البلاغة بحواله لاريب فيه ، ص: ۱۱۹

۱۳۰۔ نہج البلاغة بحواله لاريب فيه ، ص: ۱۱۹

۱۳۱۔ البيان فى تفسير القرآن : ۱/۲۱۷

۱۳۲۔ مسئلہ تحریف قرآن، کرپالوی:۱۱۲

۱۳۳۔ تاريخ القرآن صارم ، ص: ۸۲، ۸۳، ۱۰۳، ۱۰۶، تاريخ القرآن جيراجپورى ،ص: ۶۱

۱۳۴۔ مسئله تحريف القرآن : طالب حسين كرپالوى، لاهور، ص: ۵۰۹، ۵۱۱

۱۳۵۔ تاریخ القرآن، صارم:۱۲۳

۱۳۶۔ صبح الاعشىٰ للقلقشندى ،ص: ۱۵۴/ ۳، مطبعة اميريه ، قاهره : ۱۳۳۲ھ

۱۳۷۔ البرهان فى علوم القرآن ، ص: ۲۵۰/ ۱، الاتقان ، ص: ۱۷۱/ ۲، نوع : ۷۶

۱۳۸۔ صبح الاعشى :۳/ ۱۵۵

۱۳۹۔ البرهان ، ص: ۲۵۰، ۲۵۱

۱۴۰۔ الاتقان : ۲/ ۱

۱۴۱۔ تفسير القرطبى ، ۱/ ۶۳، تاريخ القرآن للكردى ، ص: ۱۸۱

۱۴۲۔ صبح الاعشى :۳/ ۱۲

۱۴۳۔ صبح الاعشى :۳/ ۱۳

۱۴۴۔ صبح الاعشى :۳/ ۱۵۵

۱۴۵۔ تفسیر القرطبی : ۱/ ۶۳

۱۴۶۔ صبح الاعشی : ۳/ ۱۶۰، تاریخ القرآن للکردی ، ص: ۱۸۰

۱۴۷۔ الاتقان : ۲/ ۱۷۱

۱۴۸۔ البرھان فی علوم القرآن : ۱/ ۲۵۰

۱۴۹۔ تاریخ القرآن از مولانا عبد الصمد صارم ص: ۱۸۱

۱۵۰۔ البرھان : ۱/ ۲۵۰، ومناھل العرفان : ۱/ ۴۰۳

۱۵۱۔ مناھل العرفان : ۱/ ۴۰۳

۱۵۲۔ الاتقان : ۲/ ۱۷۱، نوع ۷۶

۱۵۳۔ البرھان : ۱/ ۲۵۱

۱۵۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ : ۳/ ۴۹، کتاب الصلوۃ ، مطبعۃ العلوم الشرقیۃ ، دکن ، ۱۳۸۷ھ

۱۵۵۔ Blachere,Intr.cor,P.133

۱۵۶۔ جمع وتدوین قرآن، ص: ۱۴۲، ۱۴۳